شعروادب

تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں!

سید شاہ نفیس حسینیؒ

اے رسول امیں! خاتم المرسلیں! تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں ،تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے ،جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں،اے ابد کے حسیں،تجھ سا کوئی نہیں،تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں کُل جہاں میں ہوا ،اس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں،تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

سدرۃ المنتہیٰ رہگذر میں تری، قاب قوسین گرد سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں،حق ہے تیرے قریں،تجھ سا کوئی نہیں،تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضو ترے سرمد تاج کی ، زلف تاباں حسیں رات معراج کی
لیلۃ القدر تیری منور جبیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

مصطفیٰ! مجتبیٰ! تیری مدح وثنا ،میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں ،لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سراپا لکھوں؟ کوئی ہے وہ کہ میں جس کو تجھ سا کہوں؟
توبہ توبہ نہیں، کوئی تجھ سا نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروںؓ کی شان جلی ہے بھلی ، ہیں یہ صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہد عدل ہیں یہ ترے جانشیں ،تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفس، انفس دوجہاں، سرور دلبراں، دلبر عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

☆☆☆☆☆

ادار یہ

محرم الحرام سے نئے ہجری سال کا آغاز

شمس الحق ندوی

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ علامات قیامت میں سے یہ بات بھی ہے کہ وقت تیزی سے گذرتا جائے گا۔اب ہم گذرے ہوئے سال کے متعلق سوچیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ خواب کی طرح سے سال آیا اور گذر گیا پھر اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ پورا سال مال و دولت اور ناموری ہی کی فکر میں گذر گیا اور آخرت سے اس طرح غافل رہے جیسے وہ ایک خیالی بات ہو۔

سن ہجری کی ابتدا ہی اس سے ہوئی ہے کہ داعیِ اسلام رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا صرف اس لیے کہ وہ مالک و خالق کائنات کی اطاعت وعبادت کی طرف بلاتے ہیں،اس کے علاوہ کی عبادت سے روکتے ہیں،اب جب کہ نیا ہجری سال شروع ہونے جارہا ہے تو ہم کو بھی اپنی زندگی کو نئے حوصلوں،نئی امنگوں اور نئے ولولوں کے ساتھ شروع کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔ہجرت مدینہ امت مسلمہ کے لیے مستقل ایک پیغام کی حیثیت رکھتی ہے کہ دین وایمان ایک مسلمان کی وہ پونجی ہے جس سے وہ کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوسکتا،وہ موت کو گلے لگالے گا لیکن دین وایمان کے انمول ہار کو اپنے گلے سے نہیں اتارے گا جس کا مشاہدہ ہم اس وقت بھی کررہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مختلف ملکوں میں قید وبند کی زندگی گذار رہی ہے لیکن اپنی دینی غیرت وحمیت پر ادنیٰ دھبہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں،سوائے ان قسمت کے ماروں کے جو مغرب کی دجالی تہذیب کے دھوکہ میں آکر دین پر سے اپنا اعتماد کھو بیٹھے ہیں اور حب دنیا وحب جاہ ومال کی ریس میں دوسری قوموں کی راہ پر چل پڑے ہیں۔

ایک مسلمان کی آنکھوں سے یہ حقیقت اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قیامت تک کے لیے مہلت دی ہے کہ وہ بنی آدم کو،ان آدم کی اولاد کو جن کو سجدہ نہ کرنے کہ وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا تھا،گمراہ کرنے اور اپنے ساتھ جہنم لے جانے کی فکر میں لگا رہے اور اپنے پرفریب و پرکشش جال میں پھنسا کر اپنے ساتھ ان کو جہنم میں لے جائے۔سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے کتنی وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:"اَلَمۡ اَعۡہَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ وَ لَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ". [۵۹- ۶۱] (اے آدم کی اولاد!ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا،وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے،اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا،یہی سیدھا راستہ ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کردیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے)۔

لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان حقائق پر غور کرنے کے بجائے ہم یورپ وامریکہ کی مادیت پرستانہ تہذیب سے جس کو انھوں نے بہترین اسلحہ سے مسلح کررکھا ہے اور اس کی ہر چیز اتنی بھانے والی ہے کہ ہم ان حقائق پر غور کرنے اور ان پر عمل کرنے کے بجائے جن کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تشریح کی ہے،اس کی چمک دمک سے اس طرح دھوکہ کھا جائیں جس طرح لوگ دجال کی جنت کے دھوکہ میں آجائیں گے جو دیکھنے میں تو جنت نظر آئے گی لیکن حقیقتاً وہ جہنم ہوگی اور جو دیکھنے میں جہنم نظر آرہی ہوگی وہ جنت ہوگی۔

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد موجودہ مادیت پرستانہ تہذیب کو جنت نشان سمجھتی ہے اور اس کی طرف اس طرح بڑھتی ہے کہ بعض وقت دینی اقدار کا مذاق اڑاتی ہے لیکن جب اس کے تاجرانہ اخلاق اور خودغرضانہ میل جول،بے پردگی اور لڑکی لڑکوں،مرد وعورت کے باہم اختلاط کے شرم سے سر جھکا دینے والے واقعات پیش آتے ہیں اور دین سے دور اولاد جب ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کے بجائے ان سے بغاوت ہی نہیں بلکہ بسا اوقات اس طرح ان کا دل دکھاتی ہے کہ رونے کو آنسو نہیں ملتے،زبان سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ ہم نے ان کو دین اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کی ہوتی تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

اس طرح کے لوگ اکثر یہ کہہ کر دین سے دوری اختیار کرتے ہیں کہ اسلام موجودہ حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا،حالانکہ اسلام جس طرح کسی بھی

دور میں اور کسی بھی ماحول کے درمیان رہنمائی سے قاصر نہیں رہا، آج بھی قاصر نہیں ہے، حالات چاہے جتنے بدتر ہو جائیں ہماری رہنمائی کے لیے قرآن وحدیث کی تعلیمات کافی رہیں گی، ہجرت مدینہ نے قیامت تک آنے والی مسلم نسلوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ دنیا میں کسی بھی طاقت واکثریت کے سامنے وہ سر نہ جھکائیں اور سر اٹھا کر فخر کے ساتھ وہ کہیں کہ ہمارے مخصوص عقائد کے ساتھ ساتھ ہمارا ایک مخصوص کلچر ایک مخصوص تمدن بھی ہے جس سے ہم کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہو سکتے، ہم اپنی خاص دینی تہذیب وثقافت کو نہ کسی کی مروت میں چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کے دباؤ میں آ کر بقول ایک حکیم کے: ''دنیا بہترین کتاب اور زمانہ بہترین معلم ہے''۔

قرآن کریم نے نافرمان قوموں کی تباہی اور انبیاء کرام کے ابتلا وآزمائش کے واقعات اسی لیے بیان کیے ہیں کہ ان سے سبق لیا جائے لیکن افسوس کہ ہم اپنی غفلت شعاری کے سبب ان واقعات کو بھی تفریح کے طور پر پڑھ کر گذر جاتے ہیں، ان سے کوئی سبق نہیں لیتے۔

ایک بڑا دھوکا اس سے بھی ہوتا ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ مرتے رہتے ہیں، ان میں وہ ظالم اور آدم خور اور شرعی احکامات سے منہ موڑنے والے بھی کچھ کم نہیں ہوتے جو عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں لیکن دنیا کی چہل پہل میں چونکہ کوئی کمی نہیں ہوتی، اس لیے آنکھوں سے غفلت کا پردہ نہیں اٹھتا کہ ع

ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

☆☆☆☆☆

مولانا قاضی محمد ہارون ندوی اندوری جوارِ رحمت میں

ناظر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء لکھنؤ جناب مولانا قاضی محمد ہارون ندوی اندوری (داماد و بھانجہ مولانا قاضی معین اللہ ندویؒ سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء) کا طویل علالت کے بعد عید الاضحیٰ کے دن ۱۰ر ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲ر اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اسی روز بعد نماز عشاء احاطہ دار العلوم میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی اور تدفین ڈالی گنج قبرستان میں ہوئی، نماز جنازہ وتدفین میں دار العلوم کے اساتذہ، عملہ، طلبہ اور اہل تعلق واعزہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، اور پرنم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ سال گذشتہ ماہِ ذی الحجہ میں وہ حج کے مبارک سفر پر تھے، اور دوسرے ہی سال انتقال ہوا۔

پسماندگان میں بیوہ، ایک فرزند اور پانچ لڑکیاں ہیں، الحمدللہ سب شادی شدہ ہیں اور فرزند مولانا عبد الرحمٰن ندوی کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ہی میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۵ر نومبر ۱۹۴۸ء کو دھار ضلع اندور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۳ر سال کی عمر میں اپنے والد محترم ماسٹر منظور احمدؒ کے ساتھ دار العلوم ندوۃ العلماء آ گئے، یہاں معہد سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم مکمل کی، اور ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں فارغ ہوئے، دورۂ حدیث اور افتاء کی تعلیم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کی، اس کے بعد اندور کے مدرسۃ الفلاح میں کئی برس تدریسی خدمت انجام دی، پھر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے حکم سے پربھنی (اورنگ آباد) میں ایک سال تدریس سے وابستہ رہے، اس کے بعد حضرت مولاناؒ ہی کے ایماء سے ندوہ آ گئے اور ۹ر شوال ۱۳۹۴ھ کو دار العلوم میں تقرری ہوئی، تدریسی خدمت کے ساتھ کتب خانہ کے شعبۂ مخطوطات کی نگرانی بھی ان کے سپرد ہوئی، اور دونوں جگہ مستقل خدمات انجام دیتے رہے، ۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ کو کتب خانہ کی ضرورت کے پیش نظر اس کے لیے یکسو ہو گئے، اور خاص طور پر مخطوطات کے شعبہ پر توجہ دیتے رہے، مولانا سید محمد مرتضی مظاہری کے انتقال کے بعد ۱۱ر جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ کو معاون ناظر کتب خانہ ہوئے، اور ۱۰ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۷ر جولائی ۱۹۹۶ء کو ناظر کتب خانہ بنائے گئے۔

مولانا مرحوم نے کتب خانہ کی خدمت میں پوری زندگی گذار دی، اور اس کو مختلف جہتوں سے آراستہ کیا، مخطوطات کی حفاظت، نئی نئی کتابوں کا انتظام، ان کی فہرست سازی، اور نظم ونسق کو بڑی خوبی ومہارت کے ساتھ انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سلسلہ میں بڑی قابلیت عطا کی تھی۔ کتب خانہ کے عملہ اور ملازمین کو ہمیشہ وقت پر آنے اور پوری تندہی ودیانت کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کرتے، اور کسی طرح کی کوتاہی پر ان کو متنبہ بھی کرتے لیکن جب کبھی کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا یا کوئی شدید بیمار ہوتا تو اس کے گھر جا کر اس کی خیریت دریافت کرتے اور ہر ممکن ہمدردی وتعاون کا معاملہ کرتے، اور بھائیوں کی طرح ان کے ساتھ سلوک کرتے، ان کے انتقال کے بعد ان سب کو اس کا احساس ہے۔

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے ندوہ میں ان کے گھر جا کر اہل خانہ سے تعزیتی خطاب کیا، اور دعائے مغفرت کی، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کا صلہ دے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔ ☆☆☆

[جاوید اختر ندوی]

بحث ونظر

سود اور صحف انبیاء علیہم السلام

علامہ سید سلیمان ندویؒ

سود جس کو انگریزی میں 'انٹریسٹ' کہتے ہیں، عرب اس کو 'ربا' کہتے ہیں، عربی میں ربا کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں، اسی مناسبت سے قرض کے اصل رأس المال سے جو زیادہ وصول کیا جائے اس کو ربا کہتے ہیں، جواز سود کی کوشش میں ایک نادان دوست کی مضحکہ خیز تحقیق یہ ہے کہ قرن اول میں چونکہ قرآن مجید پر اعراب نہ تھا اس لیے مسلمانوں نے بجائے رُبا کے رِبا پڑھا، ورنہ اصلی لفظ رُبا تھا جو فارسی مصدر ربودن سے مشتق ہے، جس کے معنی چھیننے اور جھپٹنے کے ہیں اس بنا پر اصل قرآن مجید نے سود کو حرام نہیں کیا ہے جیسا عام مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ اس مال کو حرام کیا ہے جو چھین جھپٹ کر حاصل کیا جائے۔

ہم اس تحقیق کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں ؎

صیاد نۂ نو نخچیر مکن
چیزے کہ ناخواندۂ تو تفسیر مکن

ایک دوسرے مضمون نگار کا جواز سود پر بڑا استدلال یہ ہے: ''ہمارا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ سود بہت پہلے زمانے سے تمام قوموں میں رائج ہے، برابر قومیں یکے بعد دیگرے سود لیتی رہیں اور اس زمانے میں ان کے لیے بہت سے انبیاء اور رسول مبعوث ہوئے مگر کسی نے سود کو ناجائز قرار نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا اور قومیں جیسے یہود ونصاریٰ سود اعلانیہ لیتی ہیں''۔

اور چونکہ ان کے مذہب نے ہر قسم کے نفع اٹھانے کی اجازت دی ہے، اس لیے وہ کوشش کرتے ہیں۔

اس بناء پر سوال یہ ہے کہ کیا درحقیقت گذشتہ قوموں میں جو انبیاء اور رسول مبعوث ہوئے، ان میں سے کسی نے سود کو ناجائز قرار نہیں دیا؟ بلاشک یہودی اور عیسائی قوموں کی موجودہ سودخواری کو دیکھ کر ایک کوتاہ نظر شخص یہی نتیجہ نکالے گا کہ گذشتہ انبیاء نے سود کو ناجائز قرار نہیں دیا، لیکن جب اس مقدمہ پر نظر کی جائے کہ کسی قوم کے اعمال وافعال سے اس کے مذہبی احکام کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تو یقیناً ہم کو صحف انبیاء کی طرف توجہ کرنی پڑے گی، گو مسلمان موجودہ صحف انبیاء کو تحریف ومسخ سے بہت کم محفوظ مانتے ہیں لیکن تاہم اگر یہ ثابت ہوجائے کہ حرمت سود پر تمام کتب سماوی بالاجماع متفق ہیں اور اگر اکثر انبیاء نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے تو یہ بالکل واضح ہوجائے گا کہ قرآن مجید صحف ماسبق کی تصدیق کرتا ہے، جیسا کہ اس نے بار بار اس کا دعویٰ کیا ہے۔

سود کا رواج دنیا میں اور ہزاروں برائیوں کی طرح نہایت ابتداء سے ہے اہل مصر، کلدانی اور فینشین کے بعد سب سے قدیم متمدن یونانی قوم ہے، یونان میں سود کا رواج تھا لیکن اس سے جو اخلاقی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، ان سے بھی لوگ واقف تھے، یونان کا ارسطو گو نبی نہ تھا لیکن قوم کا فلاسفر اور مصلح تھا، اس نے ایک عام اصول قائم کردیا: ''روپیہ، روپیہ کو نہیں پیدا کرتا''۔

یونان کے بعد روم کا درجہ ہے، روم میں سود کا نہایت عام رواج تھا، اور ہم کو نہیں معلوم کہ روم میں کسی حکیم یا مصلح قوم نے اس ناجائز منافع کے مٹانے کی کوشش کی یا نہ کی، لیکن ہم اس سے واقف ہیں کہ اس ظالمانہ طریق معاش سے مہاجنوں کے سوا اور تمام لوگ نالاں تھے، گو مفتوحہ اقوام سے چھین چھین کر خاص رومیہ میں دولت کا بہت کچھ حصہ جمع ہوگیا تھا لیکن دارالحکومت کے علاوہ تمام صوبہ مفلس تھا، رومیہ میں یہ ممکن تھا کہ چار پانچ فیصدی پر روپیہ مل جائے لیکن اور صوبوں میں بارہ فیصدی سے کم پر کوئی روپیہ نہیں مل سکتا تھا، اس لیے مہاجن رومیہ سے ادنیٰ شرح سود پر روپیہ لیتے تھے اور اور صوبوں میں گراں قدر منافع پر لوگوں کو دیتے تھے، اگر قرضدار میعاد پر اصل مع سود ادا نہ کردیتا تو مہاجن نہایت بری طرح روپیہ وصول کرتے تھے۔

ایشیاء کے بعض شہروں نے کسی جنگ کے موقع پر ستر عیسوی میں روپیہ کی ایک بڑی رقم قرض لی، چودہ سالوں کے بعد ۸۴ء میں سود اصل سے چھ گنا زیادہ ہوگیا، مہاجنوں نے اس تشدد سے روپیہ وصول کرنا شروع کیا کہ مجبوراً لوگوں کو اپنی اپنی اولادیں بیچ کر روپیہ ادا کرنا پڑا، اس واقعہ کے چند ہی سال کے بعد بروٹس نے جو ایک مشہور رواقی حکیم تھا، اس نے قبرص میں شہر سلامینہ کے لیے ۴۸ فیصدی پر رقم قرض لی، کچھ مدت کے بعد جب اصل مع سود کا تقاضہ کیا گیا تو شہر سلامینہ اتنی

بڑی کثیر رقم ادا نہ کرسکا، آخر قرض خواہوں نے فوجی طاقت سے سلامینہ کے پارلیمنٹ ہاؤس کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ اتنی دیر تک قائم رہا کہ پارلیمنٹ کے پانچ ممبر بھوکے مرگئے۔

تورات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو قرضدار وقت پر سود و اصل نہیں ادا کرسکتے تھے قرض خواہ ان کی تمام جائداد پر قبضہ کر لیتے تھے اور ان کو غلام بنالیتے تھے، انگلینڈ میں بھی لوگ سودی کاروبار کرتے تھے لیکن حکومت کی طرف سے اس کی اجازت نہ تھی، گورنمنٹ نے ۱۵۴۶ء میں یہ قاعدہ جاری کیا کہ دس فیصدی تک سود لیا جاسکتا ہے، اڈورڈ ششم کے عہد میں یہ حکم پھر منسوخ ہوگیا، الزبتھ نے اپنے عہد میں سودی معاملہ کو جائز کردیا اور رفتہ رفتہ پانچ فیصدی کی شرح سود قائم ہوگئی۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ ایشیائی سلطنتیں یورپ کے پنجوں میں صرف اس لیے گرفتار ہیں کہ ان کو یوروپین بینکوں کے سود سے کبھی نجات نہیں مل سکتی اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ یوروپ کے بینک محض ایشیاء کے سود پر جیتے ہیں، ہندوستان کے اکثر اہل وجاہت صرف اس لیے برباد ہورہے ہیں کہ وہ قرضوں کا سود نہیں ادا کرسکتے۔

ان تمام مذکورہ بالا واقعات کی بناء پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ سود سے حسب ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں:

۱-پولٹیکل ایکانمی کی رو سے بجائے اس کے کہ روپیہ عام ملک میں پھیل کر سرسبزی پیدا کرے صرف چند اشخاص میں محدود ہوجاتا ہے۔

۲-اس سے قوم میں کاہلی اور سستی کا مادہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ بجائے اس کے کہ وہ خود کسب معاش کے لیے کوئی محنت کرے اس کا روپیہ ہر جگہ کام کررہا ہے۔

۳-سود سے اخلاقی حالت کو نہایت سخت نقصان پہنچتا ہے، مہربانی اور رحمت وشفقت کی روح معدوم ہوجاتی ہے، انسان سنگ دل اور بے رحم ہوجاتا ہے۔

۴-انسان بلا استحقاق روپیہ حاصل کرتا ہے، جو درحقیقت ظلم ہے، اسی لیے قرآن مجید میں جہاں خدائے پاک نے سود کی ممانعت کی، یہ فرمایا ہے: "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" (نہ تم کسی دوسرے پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی دوسرا ظلم کرے)۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر یہ کیونکہ ہوسکتا تھا کہ جس چیز سے اخلاقی روح کو اس قدر صدمہ پہونچے، انبیاء علیہم السلام اپنے پیروؤں کو اس سے باز رہنے کا حکم نہ فرماتے، چنانچہ ہم تورات، زبور اور انجیل کے حوالوں سے یہ ثابت کردیں گے کہ تمام دیگر انبیا علیہم السلام نے بھی سود کی سخت ممانعت کی ہے۔

تورات، سب سے پہلے اولین کتب آسمانی (تورات) میں حضرت موسیٰ کی معرفت یہ کہا کہ:

"اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے، کچھ قرض دیوے تو اس پر بہت تقاضا مت کر، اور اس سے سود مت لے اور اگر تو اپنے ہمسائے کے کپڑے گروی لیوے تو چاہیے کہ تو سورج ڈوبتے ہوئے اسے پہونچادے"۔

اور احبار میں حسب ذیل حکم دیا گیا:

"اور اگر تمہارا بھائی تمہارے بیچ میں محتاج اور تہ دست ہوجائے تو اسکی دستگیری کرو خواہ وہ اجنبی ہو خواہ مہمان تاکہ وہ تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے تو اسے سودی روپیہ قرض مت دے نہ اسے نفع کے لیے کھانا کھلا، میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو تم کو زمین مصر سے نکال لایا تاکہ تمہیں کنعان کی زمین دوں اور تمہارا خدا ہوں"۔

استثناء میں ان الفاظ میں یہ حکم دہرا دیا گیا:

"اور تو اپنے بھائی کو سودی روپیہ اور سودی طعام یا اور کوئی چیز سودی عاریت اور قرض مت دیجیو تو مسافر کو سودی قرض دے سکتا ہے پر اپنے بھائی کو سودی قرض مت دیجیو، تاکہ خداوند تیرا خدا اس سرزمین میں جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے جس جس کام میں تو دست انداز ہو، تجھے برکت دیوے"۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی میں خود بنی اسرائیل سے سود لینا یقینی ناجائز تھا مگر غیر قوم سے بنی اسرائیل سود لے سکتے تھے مگر احبار کے جو درس ہم اوپر نقل کرآئے ہیں خواہ اجنبی ہو یا مہمان ان سے ہر قسم کے سود لینے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، لیکن یہودیوں نے ان احکام پر بہت کم عمل کیا، نہایت عام طریقہ سے سود لیتے تھے اور نہایت سختی سے وصول کرتے تھے اگر وقت پر قرضدار سود مع اصل نہ ادا کردیتا تو اس کی تمام جائداد ضبط کرلیتے تھے، اور اس کے تمام خاندان کو نہایت ذلت سے غلام بنالیتے تھے چنانچہ ان واقعات کو دیکھ کر نحمیا نبی نے ان کو حسب ذیل عبارت میں سود لینے سے روکا:

"اور کتنے کہتے تھے کہ ہم نے اپنے کھیتوں اور انگورستانوں کو گروی رکھ کر روپیہ قرض لیا ہے کہ بادشاہ کے لیے مال گزاری ادا کریں اور ہمارے جسم تو ہمارے بھائیوں کے جسم ہیں اور ہمارے

بال بچے ان کے بال بچوں کے مانند ہیں اور دیکھئے ضرور ہے کہ ہم اپنے بیٹے اور بیٹیاں غلامی میں بیچیں اور ہماری بیٹیوں میں سے کتنی لونڈیاں ہوئیں ہیں اور ہم لاچار اور زیردست ہیں کیونکہ ہمارے کھیت اور انگورستان اور لوگوں کے ہیں جب میں نے ان کی فریاد اور یہ باتیں سنی تو میں بہت رنجیدہ ہوا اور میں نے رئیسوں اور شحنوں سے جھگڑا کیا اور انہیں کہا تم سودخور ہو کے ہر ایک اپنے اپنے بھائی پر ظلم کرتے ہو اور میں نے ان کی ایک بڑی جماعت کو ان کے برخلاف پیدا کیا، میں بھی اور بھائی میرے اور جوان میرے ان کو نقدی اور اناج قرض دے چکے ہیں، سو آؤ سب کے سب ہم یہ قرض بخشیں گے ان کے کھیت اور ان کے باغ انگور کے اور زیتون اور ان کے مکان اور سواں حصہ نقدی کا اور اناج اور دین اور تیل کا جو تم نے ان سے سودخوری کر کے لیا ہے، انہیں آج پھیر دیجئے''۔

اس کے بعد یہودیوں میں پھر سود رائج ہوا، جس سے حزقیل نبی نے ذیل کے فقرات میں یہودیوں کو روکا:

''بلکہ اگر کوئی آدمی ٹھیک ہوگا اور وہ کرتا ہے جو شریعت میں ہے اور ٹھیک ہے، اور اس نے سود پر نہیں دیا اور نہ نفع لیا اور اپنا ہاتھ ناانصافی سے اٹھایا اور انسانوں کے درمیان عدل جاری کیا اور میری شریعتوں پر چلا وہ یقیناً جئے گا، میرا خدا کہتا ہے''۔

اس ناجائز معاملہ کے متعلق پھر آگے چل کر مرقوم ہے:

''اور وہ جو ان فرائض میں سے کوئی انجام نہیں دیتا اور سود پر دیا اور نفع لیا، کیا وہ زندہ رہے گا؟ نہیں زندہ رہے گا، اس نے تمام ناپاکیاں کی ہیں، وہ یقیناً مر جائے گا، اس کا خون اس کی گردن پر ہوگا''۔

پھر اسی اصحاء میں چند فقروں کے بعد ہے:

''جس نے فقیر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور جس نے سود لیا اور نہ نفع لیا بلکہ میری شریعت جاری کی اور میرے احکام پر چلا، وہ اپنے باپ کے گناہ سے نہ مرے گا وہ یقینی زندہ رہے گا''۔[عدد:۱۷]

ان منقولہ فقروں سے بالکل صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہودیوں کے تمام انبیاء نے سود کو ناجائز قرار دیا اور اپنے صحیفوں میں بطور حکم واجب کے اس کی ممانعت لکھ دی:

زبور: ''سود کے متعلق زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی معرفت کہا گیا:

''اے خدا! تیرے خیمے میں کون رہے گا، تیرے کوہ مقدس پر کون سکونت کرے گا، وہ جو سیدھی چال چلتا ہے اور صداقت کے کام کرتا ہے اور اپنے دل سے سچ بولتا ہے، وہ جو اپنی زبان سے چغلی نہیں کھاتا اور اپنے ہمسایہ سے بدی نہیں کرتا اور اپنے پڑوسی پر عیب نہیں لگاتا، وہ جس کی نظر میں نکمہ آدمی خوار ہے، پر وہ انہیں جو خداوند سے ڈرتے ہیں، عزت دیتا ہے، وہ جو اپنے ضرر سے قسم کھاتا ہے اور بدلتا نہیں وہ جو سود کے لیے قرض نہیں دیتا اور بے گناہوں کو ستانے کے لیے رشوت نہیں لیتا وہ جو یہ کرتا ہے کبھی نہیں ٹلے گا''۔

انجیل: موجودہ انجیل میں چونکہ چند نصائح کے سوا احکام گویا بالکل نہیں ہیں، اس لیے سود کی حرمت کے متعلق اس میں کوئی فقرہ درج نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تمثیل سے جس میں سود کا بیان آ گیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے عہد میں بھی سود رائج تھا۔

''.......اس کے خاوند نے جواب دیکے اس سے کہا: اے شریر اور سست نوکر تو نے جانا کہ میں کاٹتا ہوں جو نہیں بویا، اور جمع کرتا ہوں جو نہیں چھینٹا، بس تجھے مناسب تھا کہ میرا نقد صرافوں کو دیتا کہ میں ان سے سود سمیت پاتا'': [متی، باب ۲۵: ص/ ۲۶، ۲۷]

لیکن پولوس (پال) کے خطوط جو عیسائیوں کے نزدیک تقریباً انجیل کا درجہ رکھتے ہیں سود کی حرمت ثابت ہوتی ہے، پولوس نے تمطاوس (ٹیموتھی) کے نام جو پہلا خط لکھا ہے اس میں حسب ذیل فقرہ ہے:

''اسی طرح مددگار بھی معتبر ہوئے نہ دوزبان یا شرابی، یا ناروا نفع لینے والے''۔

توریت، زبور اور پال کے اس حکم کے بناء پر کہ عیسائی بھی سود کو ناجائز سمجھتے ہیں، عیسائیوں کے لاہوت ادبی (فقہ) نے سود کی حلت وحرمت کی حسب ذیل تشریح کی ہے۔

فقراء سے سود لینا یا اس قسم کے مال پر سود لینا جو بعینہٖ استعمال کیا جاتا ہے اور وہ پہلے ہی استعمال سے صرف ہو جاتا ہے مثلاً آٹا قطعاً حرام ہے نیز ارباب ثروت سے اگر حد انصاف سے زیادہ سود لیا جائے تو وہ بھی حرام ہے لیکن مندرجہ ذیل پانچ صورتیں حرمت ربا سے مستثنیٰ ہیں، گو ان مستثنیٰ صورتوں کا بیان علماء لاہوت کے اجتہاد کے سوا کتب مقدس میں کہیں مذکور نہیں۔

۱-قرض دینے سے قرض خواہ پر کسی خطرہ کا خوف ہو۔

۲-قرض میں جو مال دیا گیا ہو، وہ اس قسم کا ہو کہ قرض خواہ اس کو اپنے پاس رکھ کر کسی فائدہ میں لگا سکتا تھا۔

۳-اصل رأس المال (قرض) کے ڈوب جانے کا خوف ہو۔

۴-وقت معین پر قرضدار روپیہ نہ ادا کرے۔

۵-ملکی قانون کی بناء پر سود کی کوئی ایسی مقدار مقرر کردی جائے جو حد انصاف سے خارج نہ ہو۔

تین پہلی مستثنیٰ صورتوں پر تمام علمائے لاہوت کا اتفاق ہے، لیکن چوتھی اور پانچویں صورتوں میں بعض علمائے لاہوت نے اختلاف کیا لیکن فتویٰ کثرت رائے پر ہوا۔

قرآن مجید، عرب میں یہودی قومیں کثرت سے آباد تھیں اور وہ نہایت عام طریقہ سے سود لیتی تھی جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْراً وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوٰ وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ"۔

ترجمہ: جو لوگ یہودی ہیں ان پر بوجہ اس کے کہ وہ ظلم کرتے ہیں اور خدا کے راستے لوگوں کو بہت روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں، میں نے ان کے لیے وہ پاک چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں حرام کردیں حالاں کہ وہ اس سے روکے گئے تھے"۔

یہودیوں کے اثر سے حرم میں بھی سود کا رواج پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ حضرت عباس بن عبدالمطلب اس قسم کا کاروبار کیا کرتے تھے جب یہ لوگ ایمان لائے تو ان آیتوں میں خدا نے اس ناجائز منافع سے روکا: "اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ"۔

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس شخص کی طرح اٹھیں گے جس کو شیطان نے جنوں سے مخبوط کر دیا ہے اور یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ بیع بھی ربا ہی کے مثل ہے اور خدا نے بیع کو جائز اور سود کو حرام کیا، تو جس کو خدا کی نصیحت پہونچی اور وہ سود سے رک گیا اس کو صرف راس المال لینا چاہیے۔

سورہ بقرہ میں پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا: "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ"۔

ترجمہ: مسلمانو! لوگوں کے ذمہ تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے اگر تم ایمان والے ہو تو چھوڑ دو، اور اگر ایسا نہ کرو، تو خدا اور رسول سے جنگ کے لیے تیار رہو جاؤ اور اگر تم باز آجاؤ تو صرف راس المال تمہارا ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے،

جو لوگ اصل راس المال سے دوگنا اور چوگنا سود وصول کرتے تھے، ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔

ترجمہ: مسلمانو! دوگونہ سہ گونہ سود نہ کھاؤ، اور خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اکثر لوگ اس خیال سے سود لیتے ہیں کہ ان کی دولت وثروت میں اضافہ ہو لیکن خدا کے نزدیک بحیثیت، طہارت اور روحانیت کے اس میں کچھ ترقی نہیں ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت پاک کا مفہوم ہے: "وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رِّباً لِّيَرْبُوَ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْ عِنْدَ اللّٰهِ"۔

ترجمہ: جو تم نے سود دیا کہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے تو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

تصریحات بالا سے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہودی عیسائی مسلمان اور دیگر فرقوں میں متفقہ سود حرام ہے اور تمام انبیاء نے بالاجماع اس ناجائز کسب معاش سے لوگوں کو روکا ہے، کیا ایسی متفق علیہ ناجائز شے کے حلال کرنے کی ہمت کی جاسکتی ہے؟

☆☆☆☆☆

مولانا خلیق احمد ندوی کو صدمہ، بڑے بھائی کی اہلیہ کا انتقال

☆خرم نگر لکھنؤ کے مولانا خلیق احمد ندوی (کلن) علمی و دینی حلقوں میں ایک صاحب خیر کی حیثیت سے متعارف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سلسلہ میں توفیق خاص سے نوازا ہے، ان کے مرحوم بڑے بھائی محمد شفیق صدیقی کی اہلیہ محترمہ اپنے چھوٹے فرزند محمد عدنان صدیقی کے ہمراہ حج کے مبارک سفر پر گئی ہوئی تھیں کہ دوران حج ہی مکہ مکرمہ میں ایک روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۵/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۷/اگست ۲۰۱۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ ایک دیندار، عبادت گزار اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں، پسماندگان میں پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، چھوٹا فرزند محمد عدنان صدیقی دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں علیا اولیٰ شریعہ میں زیر تعلیم ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔

نجوم تاباں

صحابیت اور اس کا مقام ومنصب

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ

آفتاب نبوت کی تاثیر وتربیت اور تعلیم وتمرین سے امت کے استفادہ اور منور ہونے کے متفاوت درجات ومراتب کھل جاتے ہیں، جن کا معیار آفتاب سے قرب اور بعد ہے، یعنی جو اس سے قریب تر ہے وہ اتنا ہی نورانی تر اور متاثر تر ہے، اور جتنا دور ہے اتنا ہی اس کے فیض سے کم مستفید ہے۔

مثلاً طلوع آفتاب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اور سب سے پہلے آفتاب کے آثار سے متاثر ہوتی ہے وہ فضاء ہے، وہ چونکہ خلقۃً اپنی ذات سے شفاف ہے اور ادھر آفتاب کے سامنے بلا واسطے حاضر ہے اس لیے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے نور وحرارت کا اثر لیتی ہے، وہ اس درجہ منور ہوتی ہے کہ باوجویکہ اس کے چمک اٹھنے کے خود اس کی چمک آنکھوں کو نظر نہیں آتی بلکہ آفتاب ہی کی دھوپ اور شعائیں نظر پڑتی ہیں، اگر فضاء کی ہستی نظر نہ پڑیگی گویا وہ اس کے نور میں اس درجہ مستغرق اور فانی ہوتی ہے کہ اس کا اپنا تنور کسی کی آنکھ میں نہیں آتا بلکہ آفتاب اس میں سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا بلا واسطہ دکھائی دے رہا ہے، حالانکہ فضاء اپنی بے حد وسعت کے ساتھ بیچ میں حائل ہے۔ ٹھیک یہی صورت روحانی آفتاب سے استفادہ کی بھی ہے کہ اس کے عالمگیر آثار سے متاثر تو سب ہوتے ہیں مگر سب سے زیادہ وہ طبقہ متاثر ہوتا ہے جو بلا واسطہ اس سے قریب ہو کر نور لیتا ہے اور وہ طبقہ صحابہ کرام کا طبقہ ہے جو فضاء کی مانند ہے کہ زمین سے بالاتر ہے اور فلک شمس یعنی آسمان نبوت سے فروتر ہے، وہ فضاء کی طرح خلقی طور پر خود شفاف ہے جو محض اس کے نور ہی کو دکھلانے دینے کی نہیں بلکہ عین آفتاب کو دکھلانے کی کامل استعداد رکھتا ہے جیسا کہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے نبیوں کے صحابہ میں میرے صحابہ منتخب کر لیے گئے جیسے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے دل شفاف تھے، ان کا علم گہرا تھا، ان میں تکلفات نہ تھے، انہیں اقامت دین کے لیے پوری امت میں سے چن لیا گیا تھا، ان کا نقش قدم واجب الاتباع ہے وغیرہ، جس سے حضرات صحابہ کی کمال قابلیت کھلتی ہے، جو انہیں انوار نبوت کو جذب کرنے کے لیے عطا ہوئی تھی، پس وہ فطری شفافی اور کمال قرب کے لحاظ سے بمنزلہ فضاء کے جو شفاف ہے اور ساری دنیا کی نسبت سے آفتاب سے قریب تر بھی ہے کہ بلا واسطہ نور آفتاب جذب کرتی ہے۔

پس انہوں نے ان شفاف سینوں سے اس درجہ آفتاب نبوت کا نور واثر قبول کیا کہ فضاء کی طرح سرتاپا نور بن گئے اور جیسا کہ فضاء آفتاب سے متصل اور ملحق ہو کر اس درجہ منور ہو جاتی ہے کہ وہ خود نظر نہیں آتی، یعنی وہ خود اپنے کو نہیں دکھلاتی بلکہ صرف آفتاب اور اس کی شعاعوں اور چمک دمک ہی کو نمایاں کرتی ہے، ایسے ہی صحابہ اپنی فطری قابلیتوں کی بناء پر اس درجہ پاک قلوب، عمیق العلم، قلیل التکلف اور بے غل وغش بنا دیے گئے تھے کہ گویا ان میں خود ان کی کوئی ذاتی خصوصیت باقی نہیں رہی تھی، وہ صرف سنن نبوی کے مجسم نمونے بن گئے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقیدہ وعمل کو اپنے عقیدہ وعمل کے ساتھ ضم کر کے انہیں معیار حق فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ سنن نبوت اور سنن صحابہ ایک ہی ہیں جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ صحابہ کی دینی خصوصیات نبوی تھیں، چنانچہ امت کے بہتر (۷۲) فرقوں کے بارے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ان بہتر (۷۲) میں ناجی فرقہ کون سا ہے تو فرمایا: " ماأنا علیه وأصحابی " (جن پر آج کے دن میں اور میرے صحابہ ہیں)۔

گویا اپنے عقیدہ وعمل کے ساتھ ان کے عقیدہ وعمل کو اس طرح ملا کر بتلایا کہ ان کے عقیدہ وعمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ وعمل کی نوعیت ایک ثابت ہوگئی اور فرقوں کے حق وباطل ہونے کا معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات بابرکات اور حضرات صحابہ کرام کو ٹھہرا دیا۔

پھر جیسے فضاء تک کوئی گندگی نہیں پہنچتی اور پہنچائی بھی جائے تو وہ لوٹ کر پہنچانے والے ہی پر گرتی ہے، فضاء اس سے گندی نہیں ہوتی، ایسے ہی حضرات صحابہ کا طبقہ جو روحانی فضاء کی مانند ہے امت کی تنقیدوں سے بالاتر ہے، اگر ان کی شان میں کوئی طبقہ سب وشتم یا گستاخی یا سوء ادب یا جسارت وبے باکی یا ان پر اپنی تنقیدی تحقیر کی گندگی اچھالے گا تو اس کی یہ ناپاکی اس کی طرف لوٹ آئے گی، اس فضاء پر شفاف پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

بہرحال حضرات صحابہ فضاء قریب کی مانند ہیں کہ انہیں شفافی میں بھی آفتاب سے مناسبت

ہے وہ آفتاب نبوت سے نزدیک تر بھی ہیں، بلاواسطہ اس سے ملحق بھی ہیں ، وہ زمین کی کدورتوں سے بالاتر بھی ہیں اور وہ آفتاب نبوت کے نور میں فانی بھی ہیں کہ اس نور کی نمائش گاہ بن کر رہ گئے ہیں، جن میں اپنی خصوصیت بجز انفعال اور قبول حق کے دوسری نہیں رہ گئی تھی۔

پس صحابہ کی اس اعلیٰ ترین زندگی کا نور تیز بھی ہے اور پیغمبر سے اقرب اور اشبہ تر بھی ہے کہ اس نے نبوت کی زندگی سے متصل رہ کر اس کی شعاعوں کا نور قبول کیا ہے، اس لیے یہ زندگی نہ صرف عزیمتوں کی زندگی اور اولعزمانہ زندگی ہے کہ ناجائزات کی آڑ لیے بغیر عمل کے اعلیٰ ترین حصہ کو ہی اپنا لیا جائے اور نفس کی راحت طلبوں کو خیر باد کہہ کر عملی مجاہد و ریاضت کو ہی زندگی بنالیا جائے، بلکہ یہ زندگی جامع الاضداد بھی ہے جو کمال اعتدال لیے ہوئے ہے کہ ایک طرف نفس کشی بھی انتہائی اور ساتھ ہی ادب وشریعت اور اتباع سنن نبویؐ بھی انتہائی، اور ایک طرف طبعی جذبات بھی قائم اور دوسری طرف عقلی دواعی اور ملکیت بھی غالب، اس کمال اعتدال وجامعیت کے ساتھ یہ زندگی صحابہ کے سوا امت کے کسی طبقہ کو طبقاتی حیثیت سے نصیب نہیں، آحاد وافراد اس زندگی کے حامل نظر پڑیں گے جس میں شرف صحابیت کے سوا سب کچھ ہوگا لیکن طبقہ کا طبقہ ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہو اور ہمہ وقت اخلاص و معرفت کی حد کمال کو طے کیے ہو، طبقہ صحابہ کے سوا دوسرا نہیں، جنھوں نے گھر بار چھوڑ کر اور نفس کی خواہشات سے منہ موڑ کر صرف وصرف رضائے حق کو اپنی زندگی بنایا، طبعی مرغوبات کو شرعی مطلوبات پر قربان کردیا، موطن طبیعت سے ہجرت کر کے موطن شریعت میں آ کر بس گئے ، اور شرعی مرادوں کی خاطر نفس کی حیلہ جوئیوں اور راحت طلبیوں سے کنارہ کش ہو کر عزم صادق کے ساتھ ہمہ وقت مرضیات الٰہی اور سنن نبویؐ کی پیروی میں مستغرق ہو گئے اور اسی کو اپنی زندگی بنالیا، اس جامع اور جامع اضداد زندگی کا سب سے زیادہ نمایاں اور حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ وہ کلیۃً تارک دنیا بھی تھے اور رہبانیت سے الگ بھی، دنیا اور دنیا کے جاہ وجلال، دھن ودولت، حکومت وسیاست، گھر بار وزمین جائیداد کے ہجوم میں بھی تھے اور پھر ادائے حقوق میں بے لاگ بھی، زن، زر، زمین ان کے تصرف میں بھی تھی، اور پھر قلباً ان سب چیزوں سے بے تعلق اور کنارہ کش بھی، درویش کامل بھی ہیں اور قباء شاہی بھی زیب تن ہے، حکمراں بھی ہیں اور دلق گدائی بھی کندھوں پر ہے، ممالک بھی فتح کررہے ہیں اور فقیری کی خو بھی بدستور قائم ہے ع

یوں بہم کس نے کیے ساغر وسنداں دونوں

انبیاء علیہم السلام کی یہی زندگی ہے کہ بشر بھی ہیں اور ملک بھی ، نہ طبائع کو ترک کرتے ہیں نہ عقل وفراست کے تقاضوں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوتے ہیں، خالص طبعی جذبات کی پیروی حیوان کا کام ہے اور طبیعات سے کلیۃً باہر رہ کر محض عقل کلی کی پیروی فرشتوں کا کام ہے، لیکن طبعیات کو بحالہ قائم رکھ کر انہیں عقلی شعور کے ساتھ عقل کی ماتحتی میں انجام دینا اور حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ انسان کا کام ہے۔

مگر انسان کو کامل فرما کر اس کے تقدس و برگزیدگی کو نمایاں کیا گیا، اس لیے جس طبقہ کے افعال، قویٰ، عقائد، احوال، اقوال سب میں یہ کامل اعتدال رچا ہوا ہو، وہی طبقہ کامل انسانیت کا طبقہ کہلائے گا، سو طبقاتی حیثیت سے یہ کمال بالذات تو انبیاء میں ہوتا ہے اور بالعرض بحیثیت طبقہ ان کے صحابہ میں ان کے بعد طبقاتی حیثیت ختم ہوجاتی ہے، صرف انفرادی حیثیت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ بھی اس مقام کی نہیں جس پر یہ طبقہ فائز ہوتا ہے، پس صحابہ درحقیقت نبوت کا ظل کامل تھے جن کے طبقہ سے نبوت اور کمالات نبوت پہچانے جاتے ہیں اس لیے اگر کسی طبقہ کے طبقہ کو بحیثیت طبقہ اللہ ورسول کے یہاں مرضی وپسندیدہ قرار دیا گیا ہے تو وہ صرف صحابہ کا طبقہ ہے جس کی شہادت قرآن وحدیث نے دی اور "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) کی دستاویز رضاء ان کے لیے آسمانی کتب میں تاقیام قیامت ثبت کردی گئی: "أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ" (یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خاص کردیا ہے، ان لوگوں کے لیے مغفرت واجر عظیم ہے) کے ذریعہ ان کے قلوب کی پاکیزگی کی شہادت دی گئی اور کہیں: "أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً" اور کہیں: "وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً" فرما کر ان کے اخلاق کی برتری ثابت کی گئی اور کہیں: "أصحابی کالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" فرما کر ان کے ہر ہر فرد کو پوری امت کا مقتدا بتلا گیا جس کی پیروی سے حصول ہدایت میں کوئی ادنیٰ کھٹکا نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

نقوش سیرت

مکی اور مدنی زندگی - ایک اجمالی جائزہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زندگی کے ہر میدان میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مکی اور مدنی دور میں منقسم ہے، اور ان دونوں دوروں میں ہر دور کے لیے ہدایت کا سامان ہے۔

مکی دور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی پہلی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کریں اور لوگوں کے سامنے دین پیش کریں، اور اس سلسلہ میں جو بھی پریشانی ہو اس کو برداشت کریں، کیونکہ ان کا یہ تکلیف برداشت کرنا اللہ کے لیے ہوگا، جس پر ان کو اللہ کی طرف سے اجر ملے گا، اس کے ساتھ ساتھ ان کو اصل فکر لوگوں تک دین اسلام پہنچانے کی ہو، اور وہ لوگوں کو یہ حقیقت سمجھا دیں کہ اگر وہ اس دین کو مانتے ہیں تو وہ اللہ کے نیک بندے بن سکتے ہیں اور آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی نسبت صحیح معنی میں جڑ سکتی ہے، جس کا ان کو دعویٰ بھی ہے، پھر ان کو وہ سارے حقوق حاصل ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو دیے جاتے ہیں، اور اگر وہ صحیح بات کو سمجھنے کے بعد بھی نہیں مانتے ہیں، بلکہ ضد پر اتر آتے ہیں تو وہ یہ حقیقت بھی سمجھ لیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد اہل اسلام کے طرز زندگی میں فرق واقع ہوا اور اسلام کو غیر معمولی فتح نصیب ہوئی، مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، اور مدینہ منورہ جو اب تک یثرب کے نام سے مشہور تھا، وہ اسلام کا مرکز بن گیا، لہٰذا مدنی زندگی میں اس بات کے مواقع زیادہ ہو گئے تھے کہ یہاں سے بیٹھ کر اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچائی جائے، اور دین کی تشریح کی جائے، اور اگر کوئی دشمن طاقت کی بنیاد پر حملہ کرے تو اس طاقت کا جواب بھی دیا جائے، اسی لیے مدنی دور میں اس بات کی بھی اجازت دے دی گئی کہ اب مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت اور اپنے دین کی تقویت کے لیے طاقت کا استعمال کریں۔

گویا مدینہ کی زندگی میں دو پہلو سامنے آئے، ایک یہ کہ اسلام کے پیغام کو عام کرنا ہے، اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی اس راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو طاقت کے استعمال کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا ہے، یعنی جو فرد یا قبیلہ یا شہر اور ملک دشمنی کرے گا، اور مسلمانوں پر حملہ کرے گا یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، تو اس کو طاقت کے ساتھ روکا جائے گا، اور اس کا بھرپور جواب بھی دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں مختلف جنگیں پیش آئیں، اور غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک یہ سلسلہ چلا، سن دو ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا، اس وقت مسلمان بہت کمزور تھے، وہ بدر کے مقام پر لڑنے کے ارادہ سے نہیں گئے تھے، بلکہ اس قافلہ کو روکنے کے لیے گئے تھے جو قریش کا قافلہ ملک شام سے سامان تجارت لے کر آرہا تھا، اس کے واسطہ تھوڑی جمعیت بھی کافی تھی، کسی بڑی تیاری کی ضرورت نہ تھی، اس لیے تھوڑی تیاری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر تشریف لے گئے، لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ ہی میں بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ باقاعدہ مکہ سے کفار کی فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑنے آرہی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں دو ہی باتیں اختیار کی جا سکتی تھیں؛ ایک تو یہ کہ ان کو راستہ ہی میں روک کر ان سے مقابلہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آجائیں، لیکن اس سے احساس کمتری پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اور یہ بھی امکان تھا کہ کہیں وہ لوگ مدینہ پہنچ کر حملہ نہ کر دیں، اس لیے مناسب یہی معلوم ہوا کہ مقابلہ کیا جائے، یہی مشیت خداوندی بھی تھی کہ مقابلہ ہی ہو جائے تاکہ دشمنان اسلام کو اسلام کی قوت کا اندازہ ہو سکے۔

لیکن جنگ کرنے کا مکمل ارادہ کرنے کے باوجود بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ ان کی جنگ کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں پر جبر کرنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کی طرف سے جواب مل گیا اور یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ سب جنگ کے لیے تیار ہیں، اور جو حکم خدا و رسول ہوگا، آپ کے جانثار صحابہ وہی کریں گے، اور اس سلسلہ میں وہ اپنی جان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں سے مقابلہ کا فیصلہ کیا، اس جنگ میں مسلمانوں کی

ظاہری تیاری مکمل ہونے کے ساتھ نصرت الٰہی بھی مکمل طور پر شامل حال رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار شکست کھا کر بھاگے، یہی وہ پہلی جنگ تھی جو گویا اسلام کی فتح کا آغاز تھی، اس سے مسلمانوں کی ہمتیں بڑھیں اور ان کے حوصلے بھی بلند ہوئے، اور کافروں کو بھی یہ اندازہ ہوگیا کہ اب ہم مسلمانوں کو اتنی آسانی سے فنا نہیں کرسکتے، اور یہ بھی بخوبی اندازہ ہوگیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے، اب مدینہ میں رہتے ہوئے وہ سلوک کرنا ناممکن ہے۔

اسی لیے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اب ہم کو اپنی پالیسی بدل لینا چاہیے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین ہی کی اتباع کرلینی چاہیے، ورنہ جنگوں کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، لیکن خاندانی نخوت اور دیگر مادی محبتوں کے سبب ایسا نہ ہوسکا، اور جنگوں کا سلسلہ قائم رہا، البتہ مسلمانوں کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی اور ہدایات ملتی رہیں، جن سے انہیں خوب فائدہ ہوا اور پھر ایک قریبی عرصہ میں وہ دن بھی آیا کہ جس مکہ سے انتہائی کسمپرسی کے حالات سے ہجرت کی تھی، اسی مکہ میں فاتحانہ شان کے ساتھ داخلہ ہوا۔

مدنی دور جو کہ دس سال پر مشتمل ہے، گرچہ اس دور میں خاصا وقت جنگی مہموں میں صرف ہوا، لیکن یہی وہ عرصہ ہے جس میں خاص طور پر زندگی کے گذارنے کے وہ تمام راہنما اصول فراہم کردیے گئے، جن کی انسانی زندگی میں تا قیامت ضرورت پیش آسکتی ہے، لہٰذا مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے آباد ہونے کے بعد ایک صالح انسانی معاشرہ وجود میں آیا، اور لوگ اسلام سے مانوس ہوئے، اور اسلام کی جڑیں لوگوں کے سینوں میں پیوست ہوگئیں، بے شمار دانش جویان حق اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں جو یہود آباد تھے، ان سے آپسی معاہدات ہوئے، تاکہ زندگی میں امن وامان قائم رہ سکے، اور جب ان معاہدات کی پامالی ہوئی تو سخت کارروائی بھی کی گئی، لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے لوگ تھے جن کے دلوں پر اسلام کی اشاعت سے آرا چلتا تھا، وہ کسی بھی صورت یہ گوارہ نہیں کررہے تھے کہ اسلامی معاشرہ ترقی کرے، لہٰذا انہوں نے اپنی پالیسی اس طرح بدلی کہ بظاہر مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہوگئے، مگر بباطن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، قرآن مجید میں ان لوگوں کو ''منافق'' کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، ان کا کام یہ تھا کہ یہ اسلام کی کسی خوبصورت بات میں شک پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے، اور معمولی سے معمولی باتوں پر بھی تنقید میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے، ان کی مکاریوں سے مسلم معاشرہ کو بہت نقصان پہنچا، قرآن میں منافقین کے اس شیوہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ کہیں وہ بھی ایمان کے سلسلہ میں تردد کا شکار نہ ہوجائیں، ان کو چاہیے کہ اللہ پر ایمان مضبوط رکھیں، جس وقت بھی اللہ اور اس کے رسول کا جو حکم ہو، اس کی تعمیل میں ادنی درجہ کا تامل بھی نہ برتیں، کیونکہ اگر ذرا بھی تردد ہوا تو ایمان خطرہ میں پڑجائے گا اور پھر بدترین انجام ہوگا۔

قرآن مجید کی ان صریح ہدایات کے بعد تمام اہل ایمان اس قدر چوکنا ہوگئے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک بات پر ہمہ وقت کان دھرے رہتے تھے، جو بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے صحابہ کرام فوراً اس کی تعمیل کرتے، اور بسا اوقات فرط محبت اور جذبہ عمل کی بنیاد پر وہ یہ بھی نہ دیکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کسی کے ساتھ مختص ہے یا ایک عام بات ہے، بلکہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی بات پہلے صادر ہوئی یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عمل پہلے ہوا۔

ایک مرتبہ کسی مصلحت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی علاقہ میں مسلمانوں کی ایک فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، جس میں جانے کے لیے تمام صحابہ تیار ہوگئے، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہاں سب کا جانا ضروری نہیں، بلکہ چند آدمیوں کا جانا ہی کافی ہے، اس لیے کہ اگر تمام لوگ وہیں چلے گئے تو زندگی کی دوسری ضروریات کو کون پورا کرے گا، ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو دین کو سیکھیں، اور صحبت نبوی میں رہ کر تعلیمات دین حاصل کریں، تاکہ خود بھی عمل کرسکیں اور اپنے دوسرے مسلمانوں کو جو یہاں حاضر نہیں ہیں، ان تک بھی وہ تعلیمات پہنچا دیں، گویا جس طرح میدان جنگ میں جانا ضروری ہے، تاکہ وہاں دشمن پر فتح حاصل کی جاسکے، اسی طرح دین کی تعلیم حاصل کرنا بھی ضروری ہے، سیرت کے اس اجمالی جائزہ سے معلوم ہوا کہ ہر جگہ کے حالات الگ ہوتے ہیں، جن کو پیش نظر رکھ کر ہی دعوت کا کام کرنا چاہیے، اسی طرح ہر موقع کی نزاکتوں کو سمجھنا بھی دعوت کے کام میں بے حد ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

خود اعتمادی کی ضرورت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مسلمان اس وقت جن مسائل سے دو چار ہیں، ان کی اہمیت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو، یہ مسائل ہمیشہ پیش آنے والے دوسرے نت نئے مسائل کی طرح نہیں ہیں کہ ان سے سرسری طور پر گذر جانا کافی ہو، اور نہ محض رسمی طور پر کسی کانفرنس یا کنونشن کے ذریعہ ان کو حل کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ یہ بات رسمی کانفرنسوں اور روایتی جلسوں سے بہت آگے بڑھ چکی ہے۔

ہم جس مرحلے سے گذر رہے ہیں وہ ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے، اس وقت ہماری ذرا سی غلطی یا غفلت آئندہ نسلوں کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے اور ہمیشہ کے لیے ذلت وغلامی کے طوق میں ہم جکڑے جاسکتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان میں متعدد ایسی جماعتیں اور پارٹیاں سرگرم عمل ہیں، جو مسلمانوں کے وجود کو بھی کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں، وہ اپنی انتہا پسندی اور بیحد خطرناک قسم کی تنگ نظری کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایک بدیسی اور دخیل قوم تصور کرتی ہیں، ان کے نزدیک قوم مسلم، ملک کے دستوری حقوق سے متمتع ہونے کے کسی حال میں مستحق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مسلمان اس ملک کو خالی کردیں، ورنہ پھر ان کو اکثریت کے ساتھ اس طرح رہنا ہوگا کہ وہ ان سے کسی حال میں مختلف نہ ہوں، زبان وکلچر، رسم ورواج حتیٰ کہ مذہب تک میں ان کے پابند بن کر رہیں، اور اپنی پوری زندگی کو اکثریت کی زندگی کے رنگ میں رنگ لیں، دوسرے الفاظ میں وہ نام کو خواہ مسلمان کہلائیں، لیکن دراصل وہ غیر مسلم ہوں، ان کے نزدیک ہندوستان خالص ہندوؤں کا ملک ہے ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اس وقت ملک میں علانیہ یہ تحریک چل رہی ہے اور بعض علاقوں میں کھل کر یہ نعرہ لگایا جارہا ہے کہ مسلمان ملک چھوڑ دیں، کہیں مسلمانوں کو دھمکایا جارہا ہے، اور ان سے اس طرح کی باتیں کہی جارہی ہیں کہ وہ خود ہی ہراساں ہوکر کہیں اور چلے جائیں، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا مسلمان کا اس ملک سے نکل جانا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ یہ فرقہ پرست اور متعصب وتنگ نظر جماعتیں سمجھ رہی ہیں؟ کیا وہ مسلمان جس نے جنگ آزادی میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ملک کو غداری سے نجات دلانے کے لیے ایک صدی سے زیادہ تک مسلسل جنگ کی ہے اور اپنے خون سے ملک کے ایک ایک ذرہ کو سینچا ہے، وہ مسلمان 'ملک چھوڑو' جیسے بیہودہ نعروں سے مرعوب ہوکر ہندوستان کو جو اس کا ملک ہے اور جس کے چپہ چپہ پر اس کا پورا حق ہے اتنی آسانی سے چھوڑ کر چلا جائے گا، جتنی آسانی سے ان فرقہ پرور عناصر نے اس کا نعرہ بلند کیا ہے؟

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا موقف متعین کریں، اور حکومت کے سامنے اپنی پوزیشن کو نہایت واضح الفاظ میں پیش کرنے کی عادت ڈالیں اور صاف صاف اس بات کا اعلان کریں کہ مسلمانوں کا حق اس ملک کے ذرہ ذرہ پر اتنا ہی ہے جتنا کسی اور قوم یا جماعت کا ہوسکتا ہے، وہ ملک کے تمام مسائل وحالات اور ہر نشیب وفراز میں برابر کے شریک ہیں، اور ان کو یہاں کی تمام روایات وخصوصیات اور تمام مسائل ومشکلات میں حصہ لینے اور اس کے لیے سوچنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ مسلمان ان بزدلانہ حرکتوں اور آگ وخون کی داستانوں سے متاثر ہوکر ایک بزدل اور کمزور قوم کی طرح اپنی سارے ملکی وملی آثار کو چھوڑ کر چلے جائیں، یا یہاں رہ کر اپنی تمام دینی اور روایتی خصوصیات اور تشخص سے عاری ہوکر اکثریت کے رنگ میں رنگ جائیں، اور ہر ظلم وناانصافی کے آگے سر جھکادیں اور ہر ستم پیشہ اور جفا شعار کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔

اس حقیقت کے اظہار میں ہم کو ایک لمحہ کے لیے بھی تردد نہ ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو یہاں ہر قیمت پر مسلمان بن کر رہنا ہے اور اپنی تمام اسلامی خصوصیات اور دینی وملی روایات سے وابستہ رہ کر اور ان پر عمل پیرا ہوکر رہنا ہے، ہماری سب سے بڑی کمزوری اور ذلت ورسوائی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم اپنی اکثر اسلامی خصوصیتوں سے عاری ہوگئے ہیں، دینی امور میں ہم بیحد کمزور ہوکر رہ گئے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم کو ڈرانے والے ڈرا رہے ہیں، نکالنے والے نکالنے کی سازشیں کررہے ہیں، اور ہم حکومت سے رحم کی اپیل کررہے ہیں، انصاف کی بھیک مانگ رہے ہیں، مساوات اور سیکولرازم کے نام پر اس کی دہائی دے رہے ہیں اور ہر وہ کام کرنے پر آمادہ ہیں جو ایک مسلمان کے لیے ننگ وعار بلکہ ذلت وغلامی کے مرادف ہے، اگر ہم کو من حیث القوم زندہ رہنا ہے، اور

اپنا بلند منصب دنیا سے تسلیم کرانا ہے تو ہم کو ان حقیر و ذلیل حرکتوں سے باز آنا ہوگا، انصاف کی بھیک مانگنا، رحم کی اپیل کرنا، انسانیت کا واسطہ دینا اور ذلت کی اس حد تک پہونچ جانا جہاں ہم چوہے بلیوں کی طرح قتل کردیے جائیں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح مسل دیے جائیں، کسی خوددار، اور باعزت قوم کا شیوہ ہر گز نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ مسلمان قوم کا جو دنیا کی سب سے اعلیٰ وارفع قوم ہے اور جس کا منصب اس دنیا میں خلافت کا وہ عظیم منصب ہے جس پر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے۔

ہمارے مسائل کا حل صرف خدا پر صحیح بھروسہ اور خوداعتمادی میں مضمر ہے، ہم کو اگر زندہ رہنا ہے اور عزت کی زندگی گذارنا ہے تو ہم کو مسلمان قوم کا صحیح اور مکمل نمونہ بننا ہوگا، ایمان اور غیرت کی دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے روشن کرنا ہوگا، اسلامی خصوصیات وروایات سے سرتابی کے بجائے ان کو اپنانا ہوگا، اور دنیا کو یہ بتانا ہوگا کہ اسلام ایک مثالی اور مکمل مذہب ہے، جس کے ماننے والے بھی مثالی اور مکمل ہوتے ہیں، ہم کو اپنی ہر چیز میں تبدیلی لانی ہوگی، رفتار وگفتار میں، لباس وپوشاک میں، شکل وصورت میں، دکان ومکان میں، جب تک ہماری ہر چیز اور ہر بات اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ نہ ہوگی، دوسری قومیں ہم سے متاثر نہیں ہوسکتیں اور نہ ہم کو قابل اعتنا سمجھ سکتی ہیں۔

آج اگر ہم اپنی مجموعی زندگی کا جائزہ لیں تو ایک دو فیصدی بھی اسلامی زندگی کا کوئی حصہ اس میں نظر نہیں آئے گا، اس کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہم مسائل کو صرف اسباب ووسائل کی راہ سے سوچتے ہیں، وسائل ہی کو ہم نے کامیابی اور ناکامی کا معیار تصور کرلیا ہے اور اسی نہج پر سوچنے کے ہم عادی ہوگئے ہیں، ایمان کی قوت، خدا پر توکل کی وہ عظیم طاقت جو مسلمانوں کا اصل سرچشمہ ہے ہمارے اندر موجود نہیں رہی اور اسی چیز کے فقدان نے ہم کو آج اس سطح پر پہونچا دیا ہے، جہاں سے ہم کو بجز مادیت اور ظاہری اسباب ووسائل کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے اپنی داخلی اصلاح بیحد ضروری ہے، قلب و باطن جب تک صحیح نہ ہوگا اور اسلامی خصوصیات اور اپنی ملی روایتوں کو جب تک ہم نہیں اپنائیں گے اور اپنے وطن میں رہنے کا جب تک ہم عزم مصمم نہیں کریں گے اس وقت تک پوری کامیابی ناممکن ہے، قرآن مجید کا یہ ارشاد اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے: "وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ "[سورہ یونس:۸۷] (اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں گھر، اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رو، اور قائم کرو نماز، اور خوشخبری دو ایمان والوں کو)۔

اپنے وطن میں رہنے اور گھر بنانے اور گھروں کو قبلہ رو بنانے کا حکم اس لیے دیا جارہا ہے تاکہ وہ اسلامی گھر کی علامت سمجھا جائے اور اس کے بعد نماز قائم کرنے کا حکم ہے، اگر ہم غور کریں تو صاف ظاہر ہوگا کہ قوموں کی زندگی وموت کا سب سے بڑا انحصار ان کی قومی وملی روایات وخصوصیات پر ہے، اگر انہوں نے اپنی ان خصوصیات کو پسِ پشت ڈال کر اور اپنا قومی و مذہبی امتیاز ختم کرکے دوسروں کی زندگیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھایا اپنی روایات کو بالائے طاق رکھ کر غیروں میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان کا امتیازی نشان جاتا رہا تو بلاشبہ یہ زندہ قوموں کی علامت نہ ہوگی اور نہ ایسی قومیں دنیا میں اپنا کوئی مقام پیدا کرسکتی ہیں۔

ہر اقدام سے پہلے ہم کو یہ طے کرلینا ہے کہ ظاہر وباطن دونوں حیثیتوں سے ہم کو مسلمان رہنا ہے، اور اپنی اسلامی شان کا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت مظاہرہ کرنا ہے، اسلامیت سے جدا ہوکر حکومتوں کے رحم وکرم پر جینا، انصاف کی اپیل کرنا اور انسانیت کا واسطہ دینا، مسلمان جیسی عظیم اور زندہ و متحرک قوم کا شعار ہرگز نہیں ہوسکتا، آج کی سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ ہر چیز کا مداوا ہم دوسروں میں ڈھونڈتے ہیں اور خود اپنے منصب و مقام سے یکسر غافل وناآشنا ہیں ؎

کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ مولانا مطلوب عالم ندوی کے بڑے چچا اور مقامی مرکز دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار حاجی محمد رفیق کا ۱۱ر ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ر اگست ۲۰۱۸ء کو ۸۰ر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نے دعوت وتبلیغ اور دینی تعلیم کے میدان میں بڑی محنت کی، اور علم دین کو خوب پھیلایا۔

☆ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے محصل مولانا ساجد علی ندوی سیتاپوری کی ہمشیرہ کا ۲۱ر ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴ر اگست ۲۰۱۸ء کو ۴۰ر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ دونوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔

عہدساز شخصیت

آخری قسط

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا حدیث نبویؐ سے تعلق

● مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

ترجمہ: محمد وثیق ندوی

صحیحین کا مقام ومرتبہ مولانا کی نظر میں

ہر دور میں اہل علم نے صحیح بخاری کی تعلیم و تدریس اوراس کی شرح وتوضیح پر بھرپور توجہ دی ہے،نسل درنسل اس کے حفظ اورنقل وروایت کا سلسلہ چلا آرہا ہے، کسی بھی زمانہ میں اس سے بے اعتنائی نہیں برتی گئی اوراس کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ بند نہیں ہوا، کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ بدخواہوں کے تصرف اور ان کی تحریف وخیانت سے محفوظ ہے،نوے ہزار راویوں اورحفاظ حدیث نے مصنف سے اس کتاب کوروایت کیاہے،اس کی روایت تواتر کے حدتک پہنچی ہوئی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کرسکتا، سوائے اس شخص کے جوعلمی حقائق، مسلمات اورمتواتر باتوں میں شک کرتا ہو، عالم اسلام کے علمی حلقوں میں اس کتاب کو بڑا اعتبار ومقام حاصل ہے اور مسلسل اس کی تحقیق وتشریح اورشرح وتوضیح کا سلسلہ جاری ہے۔

متعدد اسباب کی بناپر (جن میں سے بعض "أوجز المسالك" کے مقدمہ میں بیان کردیے گئے ہیں) دوسرے مسلم ملکوں کے مقابلہ میں ہندوستان میں صحیح بخاری پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور مختلف جہتوں سے اس پرکام ہواہے، دینی مدارس کی نصابی کتب حدیث میں یہ سرفہرست ہے، فراغت کے آخری مرحلہ میں اسے حرفاً حرفاً اول تا آخر پڑھایا جاتا ہے، اس کتاب سے واقفیت اوراس میں پختگی علوم حدیث میں اساتذہ فن کی مہارت، رسوخ اور درس وتدریس کی لیاقت وقابلیت کی علامت سمجھی جاتی ہے، اوراس کی تدریس وتحقیق میں ایک دسرے کا تفوق وامتیاز ظاہر ہوتا ہے،علم حدیث کے طلبہ کے لیے اس کا پڑھنا شرط ہے، بغیر اس کے حدیث کی سندانہیں نہیں ملتی اوراسی وقت انہیں عالم کی سند دی جاتی ہے جب اسے ضبط واتقان کے ساتھ پڑھ لیں، اور آج بھی عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں پر آنے والے مصائب و آفات کو دور کرنے کے لیے ختم بخاری کا معمول اور رسم چلی آرہی ہے، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ امت نے اس کتاب پر کتنی توجہ دی ہے اوراسے عند اللہ اورلوگوں میں کتنی مقبولیت حاصل ہے۔

اس کتاب کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس کی روایت اورنقل میں مجتہدین، ناقلین اور راویوں کی آخری درجہ کی احتیاط،صحت واستناد،صدق وعدالت اور بحث وتحقیق کے اصول کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے،مصنف نے اس کتاب کی تیاری میں اپنی پوری توانائی،صلاحیت وکوشش صرف کی ہے،اوروہ کامیابی حاصل کی جوکسی اور مصنف کو حاصل نہیں ہوئی، فن حدیث کے تمام شرائط کا پورا خیال کیا ہے، اس کتاب کی تصنیف میں جن باتون کا التزام واہتمام کیا گیاہے وہ اس موضوع کے کسی اور مصنف کے یہاں نہیں ملتا، خود مصنف کو اس موضوع میں جو صلاحیت وقابلیت، ملکہ، رسوخ اوراعتبار حاصل تھا، وہ تاریخ میں کم ہی لوگوں کوحاصل ہوا ہے، اور یہ خوبی اہل فن، ماہرین علم اوروہبی صلاحیت کے حاملوں کوحاصل ہوتی ہے، جن کی مثال تاریخ میں خال خال نظر آتی ہے، ایسے ماہرین ہر زبان، ادب، موضوع اورفن میں پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فن، موضوع اور زبان میں حجت ومیزان بناتا ہے، اس لیے ان حضرات کوصحیح فہم وفراست، ذہانت وفطانت، قوت ادراک، باریک بینی، تحقیق وتدقیق، ذوق سلیم اورمنہج وفکر کی سلامتی کی خوبیوں سے نوازتا ہے، جس کی بنا پر یہ حضرات متعلقہ علوم وفنون اور موضوعات میں صحیح اور متوازن رائے اور فیصلہ دیتے ہیں، مسائل کی تہ تک پہنچتے ہیں اورحقیقت کوواشگاف کرتے ہیں اور ایسے حقائق ولطائف اور نکات پیش کرتے ہیں جو بسااوقات الہام اورانسانی طاقت سے ماوراء نظر آتے ہیں، حالانکہ وہ نہ تو الہام ہوتے ہیں اور نہ انسانی طاقت سے ماوراء؛ بلکہ یہ رسوخ فی العلم، پختہ اور گہری صلاحیت، توفیق الٰہی، اخلاص اور طویل تجربہ اور علمی اشتغال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ادب، شاعری، لغت، نحو، علم عروض اور طب میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، ان علوم کے ائمہ اپنے پیشرو علماء یا معاصرین کے اصول وقواعد کو آنکھ بند کرکے قبول نہیں کرتے جو ان علوم و فنون کی کتابوں میں مدون ہیں اوران میں رطب و یابس ہرطرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں، لہٰذا یہ ائمہ ان قواعد وضوابط پر غور وخوض کرتے ہیں، ان کو پرکھتے ہیں، تحقیق وتدقیق سے کام لیتے ہیں اور پھر اپنے تجربات، اپنی بصیرت، اپنے ذوق اور اپنی پختہ علمی صلاحیت کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔

یہ بڑی نادانی، حقیقت ناشناسی اور کورانہ تقلید کی بات ہوگی کہ متاخرین یا کم حیثیت مصنفین کی کتابوں

میں پائے جانے والے تنگ اصول وضوابط کو قبول کرلیا جائے اور ان کی بنیاد پر معتبر اور غیر معتبر کا فیصلہ کیا جائے، مثال کے طور پر مزی کی "تھذیب الکمال" یا اس پر حافظ ابن حجر کے مختصرات، یا ذہبی کی "میزان الاعتدال" -علم حدیث سے اشتغال رکھنے والوں پر ان کتابوں کے فضل واحسان کا انکار نہیں- کی بنیاد پر صحیح مسلم یا مؤطا امام مالک پر حکم لگایا جائے، امت میں جو کتابیں مقبول عام اور معتبر ہیں اور ان کے مصنفین اعتبار وصحت، صدق واخلاص، عدالت وامانت، تحقیق و تدقیق اور علمی بحث وجستجو میں اعلی مقام رکھتے ہیں، ان پر نظر ثانی کی جائے، انسانی جسم کی طرح ان کا آپریشن کیا جائے اور ناقص اور محدود اصولوں کی بنیاد پر ان کو پرکھا جائے؟ یہ تو علمی سنگ دلی، تنگ نظری، فکری خشکی اور روایتی عمل کی بات ہوگی، اس کے نتیجہ میں ایسا اختلاف وانتشار پیدا ہوگا جس سے دین کی بنیادیں متزلزل ہوجائیں گی، عقیدہ کمزور ہوجائے گا، ایمان و یقین میں اضمحلال پیدا ہوگا اور مسلمان ایک ایسے اضطراب اور انتشار میں مبتلا ہوجائیں گے جس سے اللہ نے ان کو بچایا ہے۔

اسی وجہ سے باکمال ممتاز محدثین اور فن رجال کے ماہرین اخیر کی صدیوں میں فن رجال کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں کے مقابلہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، اس سلسلہ میں صاحب المقدمہ نے شیخ ابوالحسن مقدسی کے حوالہ سے جو بیان کیا ہے وہ مجھے پسند ہے، وہ اس راوی کے بارے میں جس سے صحیح میں روایت کی گئی ہو کہتے تھے کہ "اس نے پل حاصل کرلیا" یعنی اعتبار واستناد اور صحت وعدالت میں اعلی مقام حاصل کرلیا کہ اب کسی اور کی کوئی رائے اس کے بارے میں معتبر نہیں، شیخ ابوالفتح قشیری کہتے ہیں، یہی میرا بھی خیال ہے، اور اسی کا قائل ہوں، اور بغیر کسی ظاہری دلیل کے اس سے رجوع نہیں کرسکتا، اور دلیل بھی ایسی جو اطمینان بخش ہو، اور شیخین کے بعد ان کی کتابوں کو صحیحین کہنے پر جمہور کے اتفاق سے قوی ہو، شیخین نے راویوں کے سلسلہ میں عدالت کا التزام کیا ہے، حافظ ابن حجر کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ہر مصنف کو جان لینا چاہیے کہ صاحب الصحیح جب کسی راوی سے نقل کرتے ہیں تو اس کی عدالت، صحت، ضبط واتقان اور عدم غفلت کا پورا خیال کرتے ہیں، جب جمہور امت کا ان دونوں کتابوں کو صحیحین کہنے پر اتفاق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحیحین میں جس راوی سے بھی روایت کی گئی ہے گویا جمہور اس کی عدالت پر متفق ہیں، ان دونوں کے راویوں کے علاوہ کسے اور راوی کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی"۔

[نظرات فی الحدیث، ص:۵۵-۶۳]

مطالعہ حدیث کی سرگزشت

حضرت مولانا نے "صبح صادق" کے حدیث نمبر میں اپنے مطالعۂ حدیث کی سرگزشت سنائی ہے، حدیث نبویؐ سے شغف اور تعلق کو بیان کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"میں جب اپنے استاد شیخ خلیل بن محمد عرب سے ادب کی کتابیں پڑھتا تھا، اسی وقت انہوں نے ادب کے نصاب کے علاوہ دو اور سبق شروع کرا رکھے تھے، ایک قرآن مجید کی چند سورتیں جن میں سورۂ زمر خاص اہمیت رکھتی تھی، دوسرے مسلم کی کتاب الجہاد، ان دونوں چیزوں سے استاد محترم کو خاص مناسبت اور ذوق تھا، یہ میرا احادیث سے پہلا تعارف ہے۔

ترتیب اور سنہ تو اب یاد نہیں، ابھی طالب علمی کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور ایک ایسا وقفہ آگیا تھا کہ باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اور بے ضابطہ مطالعہ کا مشغلہ جاری تھا، کہ اپنے گاؤں میں اصلاح اور وعظ کے سلسلہ میں حافظ منذری کی کتاب "الترغیب والترھیب" کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی جو اپنے گھر کے کتب خانے میں موجود تھی، اس کو بار بار پڑھ پڑھ کر سنایا، اسی زمانے میں اپنے ضلع کے مشہور مردم خیز قصبہ "سلون" جانا ہوا جہاں مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ (جو بعد میں دار العلوم کے شیخ الحدیث ہوئے) کا منتخب کتب خانہ دیکھنے کا موقع ملا، اس کتب خانہ سے بعض خاص علماء ومحدثین کی تصنیفات کا شوق پیدا ہوا جس میں علامہ ابن جوزی اور حافظ ابن رجب حنبلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسی زمانہ میں محمد بن نصر مروزی (تلمیذ امام احمد ابن حنبلؒ) کی کتاب "قیام اللیل" دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اس کتاب نے طبیعت پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ محسن کتابوں میں شمار کرنے کی مستحق ہوئی، میرا تاثر ہے کہ ابتدائے شباب میں اس طرح کی کتابیں جن میں مؤثر واقعات اور روایات ہوں اور جن سے عبادت کا ذوق پیدا ہو، ایک مرشد کا کام دیتی ہیں۔

میرے حدیث کی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں شروع ہوا، جہاں مولانا حیدر حسن خان صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مدرس اعلی اور دار العلوم کے مہتمم تھے، مولانا حیدر حسن خان صاحب حدیث کے جید اساتذہ میں سے تھے وہ حدیث میں استاد الہند شیخ حسین ابن محسن انصاری یمانیؒ کے شاگرد تھے اور ان کے اثر سے ان پر یمنی طرز بحث اور تحقیق غالب تھا، وہ اگرچہ متصلب حنفی تھے؛ لیکن ان کا طرز تدریس خالص محدثانہ تھا، وہ عقلی بحثوں کا سہارا لیے بغیر رجال اور اصول حدیث سے بحث کرتے تھے اور مذہب حنفی کے لیے کتب صحاح

سے ادلہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے درس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ طلباء کوفن حدیث کی کتابوں اور محدثین کی تصنیفات سے براہ راست واقفیت ہوتی تھی اور جرح وتعدیل کی کتابوں سے خود کام لینے کی عادت پڑتی تھی، وہ خود بھی محنت کرتے تھے اور طلباء سے محنت کرواتے تھے، ان کا درس ہمیشہ ایسی جگہ ہوتا تھا جہاں حدیث کا ایک مختصر کتب خانہ ہوتا، اثناء درس میں یہ کتب خانہ ان کے گرد پھیل جاتا اور وہ طلباء کے ذریعہ سے اس کتب خانہ کو کھنگالتے رہتے اس کا نتیجہ تھا کہ ان کے حلقۂ درس کا طالب علم علم حدیث، رجال اور اصول کی کتابوں اور شروح سے خوب آشنا ہوجاتا اور اس کو یہ معلوم ہوجاتا کہ کس مسئلہ پر اس کو مواد کہاں سے مل سکتا ہے اور کس مسئلہ کے لیے اس کو کیا کتابیں دیکھنا چاہئیں، پھر اس کی معلومات اور اس کا مطالعہ چند گنے بندھے مصنفین اور نصاب کی کتابوں میں محدود نہ رہتا اور وہ کسی علمی یا مدرسی تعصب کا شکار نہ ہوتا، میں نے یہ طریقۂ درس کہیں اور نہیں دیکھا اور میرے خیال میں علمی حیثیت سے اس سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ طریقۂ درس نہیں ہے۔

میرا قیام اکثر مولانا کے ساتھ ہی رہتا اور میں ان کے کتب خانہ کا مہتمم اور ان کے مسودات کا ناقل اور مرتب بھی تھا اور اُن کے حکم پر رجال کی کتابوں سے مواد بھی فراہم کرتا، اس سے مجھے بڑا علمی فائدہ ہوا، اور مجھے علمی ترقی کا میدان ہاتھ آگیا میرے رفقاء درس میں بھی متعدد ایسے تھے جن میں بہت اچھا علمی ذوق پیدا ہوگیا تھا، اگر وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تو بڑے کامیاب مدرس بن سکتے تھے، ان رفقاء میں میرے محترم رفیق مولانا عبدالسلام قدوائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن سے مولانا کو خاص خصوصیت تھی، میرے کچھ ہی عرصہ کے بعد مولوی عبدالرشید صاحب نعمانی مولانا کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے اور ان کو مولانا سے استفادہ کرنے کا خوب موقع ملا اور مولانا سے انہوں نے وہ اختصاص پیدا کیا جو ان کے تلامذہ میں سے کم لوگوں کو نصیب ہوا ہوگا۔

میرا درس ومطالعہ حدیث کا یہ سلسلہ دوسال تک جاری رہا، اس زمانہ میں قلبی اور اخلاقی حیثیت سے حدیث کے جس حصہ کا سب سے زیادہ اثر پڑا وہ ترمذی کی "کتاب الزھد و الرقاق" اور ابوداؤد کی "کتاب الادعیه" ہے، افسوس ہے کہ یہ ابواب ہمارے مدارس میں بہت روا روی اور سرسری طور پر پڑھائے جاتے ہیں، حالانکہ یہی ابواب باضافہ کتاب الایمان وکتاب العلم سیرت کی تعمیر کا سب سے بڑا ذریعہ اور تربیت واصلاح کا سب سے مؤثر سامان ہے۔

اپنے گھر کے کتب خانہ میں میں نے "زاد المعاد" کا ایک نسخہ دیکھا تھا اور میرے برادر معظم اتالیق ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مدظلہ اس کے مطالعہ کی بڑی ترغیب دیتے تھے، مجھے بہت عرصہ تک اس سے استفادہ کا موقع ملا اور اکثر وہ نسخہ میرے سفر وحضر کا ساتھی رہا، میں اس کتاب کا بھی بڑا احسان مند ہوں اور حدیث کے طالب علم اور اصلاح وتربیت کے شائقین سے اس کے مطالعہ کی پُر زور سفارش کرتا ہوں، میں نے مدینہ طیبہ کے قیام میں اس کی تجرید کا بھی کام شروع کیا تھا، میرا ارادہ تھا کہ اس میں سیرت وواقعات کا حصہ علاحدہ، سنن وآداب کا حصہ علاحدہ اور احکام ومسائل کا حصہ علاحدہ کردیا جائے، یہ سب چیزیں اس کتاب میں باہم مخلوط ہیں، میرے بہت سے کاموں کی طرح یہ کام بھی ادھورا رہ گیا، اگر کوئی صاحبِ ہمت اس انداز پر اس کتاب کو مرتب کردیں تو بڑی مفید ہوگی۔

مضمون ختم ہونے سے پہلے اپنے دو تجربوں اور تاثر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں، ایک تجربہ اور تأثر تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں خلافیات کے بجائے حدیث کے اس حصہ پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے جس کا تعلق معاشرت واخلاق، ایمان و احتساب اور تہذیب نفس اور معاملات سے ہے، یہی چیز درحقیقت مقاصد بعثت میں شامل ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" [سورہ جمعہ:](وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں)۔

اس مقصد کے لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول کتاب "رياض الصالحين" سے بہتر اور مؤثر کتاب نہیں دیکھی، ضرورت ہے کہ یہ کتاب مدارس کے نصاب درس میں بھی داخل ہو اور یوں بھی اپنی اصلاح یا لوگوں کے نفع کے لیے ہمیشہ پیش نظر رہے۔

دوسرا تجربہ اور تاثر یہ ہے کہ اسلام میں اکثر فتنے شکوک وشبہات اور اختلافات ان حدیثوں سے پیدا ہوئے ہیں جو موضوع اور ضعیف ہیں، درحقیقت موضوع اور ضعیف حدیثوں میں نور نبوت، اصلاح وتربیت کی حقیقی طاقت اور اللہ کی طرف سے وہ تائید وحفاظت نہیں ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے ساتھ موجود ہے، پھر اس کے اندر بکثرت وہ عنصر ہے جس کو عقلیں آسانی سے ہضم نہیں کرسکتیں اور مختلف شبہات کی تخم ریزی ہوتی ہے، میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ فضائل اعمال تک میں صرف احادیث صحیحہ پر

اکتفا کی جائے اوران احادیث کو پیش کیا جائے جن پر محدثین نے بالاتفاق کلام کیا ہے یا جو ان مجموعوں میں بند ہیں جن کو عام شہرت اور تلقی امت کا درجہ حاصل ہے، بڑے تجربوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور آخر میں یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ صحیحین کو خصوصیت کے ساتھ اور پھر باقی صحاح کو بالعموم حدیث کے پورے ذخیرہ میں امتیاز حاصل ہے اور وہ کتابیں جن کے ساتھ امت نے اس درجہ کا اعتناء نہیں کیا، اُن کے ہم پلہ نہیں ہوسکتیں، خصوصیت کے ساتھ اس دورفتن میں جس میں طبیعتوں میں بکثرت زیغ وضلال پایا جاتا ہے، احادیث وروایات کے بارہ میں اس احتیاط کو ملحوظ رکھنے کی بڑی ضرورت ہے۔

[ماہنامہ صبح صادق، حدیث نمبر، جلد نمبر:۸، شمارہ نمبر: ۱-۵، جولائی تا نومبر ۱۹۵۶ء، ص:۴۱-۴۴]

مطالعہ حدیث کی یہ سرگزشت جو خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ نے اپنے قلم سے بیان کی ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث شریف آپ کا محبوب اور پسندیدہ موضوع تھا اور ساری عمر حدیث شریف سے یہ تعلق باقی رہا، اس تعلق میں اس وقت اور اضافہ ہوا جب آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے ہوا، اور پھر یہ تعلق قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا، خود حضرت شیخ کو اس کا ادراک تھا، اسی وجہ سے حضرت شیخ یا ان کے شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ کی جب بھی کوئی کتاب تیار ہوتی تو مولانا علی میاں سے اس پر مقدمہ لکھواتے، آپ کا ہر مقدمہ حدیث شریف سے آپ کے گہرے تعلق اور حدیث کے وسیع مطالعہ پر دلالت کرتا ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حدیث شریف کے موضوع پر لکھنے سے آپ کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا سید جاوید اقبال ندوی کا حادثۂ وفات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مؤقر اور سینئر استاد جناب مولانا سید جاوید اقبال ندوی کا مختصر علالت کے بعد ۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۷؍اگست ۲۰۱۸ء روز جمعہ کو مختصر علالت کے بعد گومتی نگر لکھنؤ کے ایک ہسپتال میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جمعہ کے روز ہی بعد نماز عصر پہلی نماز جنازہ احاطۂ دارالعلوم میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی، دوسری نماز جنازہ ان کے محلّہ میں واقع جامع مسجد نشاط گنج میں ادا کی گئی، اور نشاط گنج ہی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، دونوں جگہ کی نمازوں اور تدفین میں دارالعلوم کے اساتذہ، عملہ اور طلبہ کے علاوہ ان کے اعزہ واقارب، احباب ومتعلقین اور اہل شہر نے بڑی تعداد میں شرکت کی اوران کے والد بزگوار جناب ڈاکٹر سید اقبال احمد ندوی سے تعزیت کی۔

پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، دو بیٹے بسلسلۂ ملازمت قطر میں تھے، بڑی کوششوں کے باوجود بھی وہ اس روز نہ آسکے، دوسرے روز پہونچ پائے، والد محترم جناب ڈاکٹر سید اقبال احمد ندوی سینئر ندوی فاضل ہیں، لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ میں پروفیسر تھے، کئی سال قبل وہاں سے ریٹائرڈ ہوچکے ہیں۔ اس سے قبل ایک اور فرزند کی وفات کا صدمہ برداشت کرچکے ہیں۔

مولانا مرحوم کی تاریخ پیدائش ۱۶؍دسمبر ۱۹۶۵ء ہے، انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کی تعلیم حاصل کی اور پھر یہیں تخصص فی الادب کیا، اور کئی برس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بھی ایم اے کیا۔ ندوہ سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ عرفانیہ میں مختصر مدت کے لیے تدریسی خدمت انجام دی، اور پھر ۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ میں معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تقرری ہوئی، اس وقت سے تاوفات تین دہائی سے زائد مدت تک دارالعلوم ہی میں تدریسی خدمت پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

مرحوم شوگر کے بہت پرانے مریض تھے، جس کی وجہ سے وقفہ وقفہ سے اس کا حملہ تیز ہوتا رہتا، داخل ہسپتال ہوتے اور پھر صحتیاب ہوکر اپنی تدریسی خدمت اور دیگر ذمہ داریوں میں مشغول ہوجاتے، لوگوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، اور چھوٹے بڑے سب کے ساتھ گھل مل جاتے، جب کبھی بیمار ہوتے، اور دو چار دن کے بعد ندوہ تشریف لاتے تو چہرہ سے ذرا بھی پریشانی یا بے چینی کا احساس نہ ہونے دیتے، اور زبان سے تو کبھی بیماری کا شکوہ نہیں کرتے۔

طلباء کے ساتھ بڑی ہمدردی اور رحم دلی کا معاملہ کرتے، اور طلباء بھی ان سے بڑے مانوس تھے، ان سے مشورے لیتے اور اپنی علمی وعملی زندگیوں میں فائدہ اٹھاتے۔ دارالعلوم میں حدیث شریف اور ادب عربی کے مضامین زیر تدریس تھے، بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے، اور طلباء کی علمی پیاس بجھاتے، جو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ہے۔

وفات کے دوسرے دن مخدوم ومحترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ مرحوم کے گھر تشریف لے گئے اوران کے بزرگ والد محترم سے تعزیت کی، اور اہل خانہ سے مختصر تعزیتی خطاب بھی کیا۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی علمی ودینی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ ☆☆☆

[جاوید اختر ندوی]

اصلاح ودعوت

جس سے محبت ہوگی حشر اسی کے ساتھ ہوگا

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: انَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَتىٰ السَّاعَةُ؟ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَعْدَدْتَ لَهَا"؟ قَالَ: حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، قَالَ "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: فَأَنَا أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ وَانْ لَمْ أَعْمَلْ بِأَعْمَالِهِمْ. [رواہ مسلم]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے فرمایا: ایک اعرابی (بدو) نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس اعرابی نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کی محبت (جواب میں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہوگے، (اس پر) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں، مجھے (خدا سے) امید ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گا چاہے ان کے جیسے کام نہ کرسکوں۔ [مسلم]

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی جناب رسالت مآب علیہ ازکی الصلاۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بے تکلفی کے ساتھ آتے ہی یہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس نے بے تکلف بات کہی کہ میری تیاری اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ أنت مع من أحببت، یعنی تم کو جس سے محبت ہے اسی کے ساتھ رہوگے، گویا کہ آپ نے اس میں یہ بات فرمادی کہ اگر تم کو واقعی کسی سے سچی محبت ہے، تو تم اسی کے ساتھ رہوگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جملہ سن کر حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر و عمر سے محبت کرتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ آخرت میں میں انہیں کے ساتھ رہوں گا، اور آپ کا یہ یقین اس لیے بھی تھا کیونکہ حضرت انس صرف صحابی رسول ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کو خادم رسول کا بھی شرف حاصل ہے، تو اس اعتبار سے دنیا ہی میں اگر دیکھا جائے تب بھی آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت انسؓ خود فرماتے ہیں کہ میں محبت کرتا ہوں، اور بعض روایات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ بات سن کر اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی، البتہ روایت کے آخر میں حضرت انس نے سمجھانے کے لیے ایک بات اور ارشاد فرمادی "وان لم أعمل بأعمالهم"، یعنی اگر ان جیسے اعمال نہ ہوسکیں، پھر بھی محبت تو انہی سے کرنا چاہیے، تو اللہ تعالیٰ ویسے اعمال کی بھی توفیق سے نوازے گا۔

تقرب کا راز

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس بہت سے لوگ رہتے تھے، ان لوگوں میں سے ایک شخص کو حضرت بہت چاہتے تھے، لہٰذا دوسرے حضرات کو یہ احساس ہوا کہ یہ شخص کچھ زیادہ منھ لگا ہوا ہے، ہر وقت شیخ کے ساتھ رہتا ہے اور حضرت بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں، الغرض ایک دن حضرت لوگوں کے اس اعتراض کو سمجھ گئے کہ لوگ ان سے حسد میں مبتلا ہوگئے ہیں، لہٰذا انہوں نے ایک دن سب کا امتحان لیا، وہ اس طرح کہ سب کو ایک ایک مرغ دیا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کرکے لاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکتا ہو، لہٰذا سارے لوگ گئے اور چھپ چھپا کر ذبح کرکے لے آئے، لیکن ان صاحب نے جو حضرت کے خاص تھے، اپنا جانور ذبح نہیں کیا، تو شیخ نے سب سے پوچھا کہ تم نے اپنا جانور کہاں ذبح کیا؟ تم نے کہا ذبح کیا؟ سب نے بتایا کہ فلاں فلاں جگہ کیا ہے، آخر میں اس شخص سے پوچھا کہ تم نے ذبح کیوں نہیں کیا؟ کہا مجھے کوئی ایسی جگہ ملی ہی نہیں کہ جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو، یعنی ہر جگہ اگرچہ کوئی نہیں ہوتا تھا لیکن وہاں اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوتا تھا، اس لیے میں ذبح نہ کرسکا، پھر حضرت شیخ نے بتایا کہ یہ اسی لیے میرے مقرب ہیں۔

اسی طرح ایک موقع سے حضرت عبداللہ بن عباس کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تھا، کیونکہ آپ بھی اکابر صحابہ کی مجلس میں حضرت عمر کے پاس بیٹھتے تھے، حالانکہ بہت کم عمر والے تھے لیکن پھر بھی اکابر صحابہ کے سامنے بیٹھنا ہوتا تھا، تو اس پر بھی بعض لوگوں کو یہ اعتراض ہوا کہ ہم بڑے ہوکر اس مقام

کے مستحق نہیں ہیں تو یہ بچہ کیوں کر مستحق ہوسکتا ہے؟ چنانچہ لوگوں کے اس اعتراض کو حضرت عمر سمجھ گئے لہٰذا ایک مرتبہ حضرت عمر نے ان سب کو بٹھایا اور کہا کہ آپ حضرات "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ تو سب نے اپنی اپنی رائے بتائی، کسی نے ترجمہ کردیا، کسی نے تشریح کردی، آخر میں جب اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر تھی، حضرت عبداللہ بن عباس کے اس بیان کو سننے کے بعد تمام لوگوں کو خود ہی سمجھ میں آگیا کہ ان کا علم اس قدر ہے کہ حضرت عمر نے ان کو صحیح مقام دیا ہے۔

محبت کی چنگاری

معلوم یہ ہوا کہ جس کے اندر جس قدر اخلاص و محبت ہوگا، اسی قدر اس کا مرتبہ بڑھا ہوا ہوگا، کیونکہ خدا اخلاص اور محبت کے درجے کو بخوبی جاننے والا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ محبت وہ جوہر ہے جو انسان کو چمکا دیتا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے شراب پی لی تو ان کو سزا دے دی گئی لیکن انہی کا معاملہ دوسری بار بھی دربار رسالت میں کسی اور موقع سے پیش کیا گیا کہ آج انہوں نے پھر شراب پی ہے، تو اس بات پر کہ دوبارہ انہوں نے ایک ممنوع چیز کو استعمال کیا بعض صحابہ کے تیور کچھ بدلتے نظر آئے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاں تک مجھے اس شخص کے بارے میں علم ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے، تو محبت وہ جوہر ہے کہ جس کو یہ مل جاتا ہے تو آدمی چمک جاتا ہے۔

اسی طرح سے محبت رسول کا ایک واقعہ حضرت مولانا (علی میاں صاحبؒ) نے کاروان مدینہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے ایک مشہور شاعر ایک مرتبہ شراب پیے ہوئے تھے اور مجلس گرم تھی اور سارے شعراء موجود تھے اور یہ تو حقیقت ہے کہ شراب پینے کے بعد کسی کا دماغ ہوش میں نہیں رہتا ہے، اور سوچنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے تو ایک صاحب نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ علامہ اقبال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو اسی حالت میں کہا کہ ارے ایسا ہی ہے، پھر معلوم کیا کہ جگر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا ارے گویّا ہے، اتفاق سے وہیں کوئی ملحد آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو اس سوال پر ان کے اندر کا ایمان جاگ اٹھا اور اس محبت نے جوش مارا جو ابھی تک اندر دبی ہوئی تھی اور بہت غصہ سے یوں کہا کہ اس ناپاک محفل میں تم نے یہ پاک نام کیسے لیا؟ بوتل اٹھائی اور اس کے سر پر ماری، اور کہا: بیہودہ تو اتنا آگے بڑھ گیا کہ ایسی ناپاک مجلس میں پاک آدمی کا نام لیتا ہے، اور خود کے بارے میں کہا کہ کیا اب میں اتنا گندا ہوگیا کہ لوگ مجھ سے غلط فائدہ اٹھائیں، معلوم یہ ہوا کہ محبت وہ جوہر ہے جس کو اللہ نصیب فرمادے تو پھر اس کے درجات کی بلندی میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

فوائد محبت

محبت انسان کے اندر جس طرح پیدا ہوتی ہے اسی کے مطابق انسان کا جسم ڈھلتا ہے اور عقلی محبت سے طبعی محبت تک آدمی پہنچتا ہے، کیونکہ محبت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ محبت جذب کرتی ہے، یعنی محبت ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی کسی سے محبت کرلے تو جس سے اس کو محبت ہوگی اس کے کمالات خود اس کے اندر منتقل ہونے لگیں گے، یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ چہرہ بھی انسان کا بالکل اپنے محبوب جیسا ہی ہوجاتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ چال ڈھال، طرز وادا اور گفتگو میں کون مشابہ تھا؟ تو صحابہ نے جواب دیا کہ یہی عبداللہ بن مسعود ہیں حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت تھی کہ چال ڈھال بھی ان کا ویسا ہی ہوگیا تھا، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی مثال ہے، حضرت ابوبکرؓ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل مشابہ ہوگئے تھے روایت میں آتا ہے کہ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں کو پہچاننا مشکل ہورہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ اور حضرت ابوبکرؓ کون ہیں؟ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چادر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کھڑے ہوگئے، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ اسی لیے بعض ضعیف روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے غم سے حضرت ابوبکر کے منھ سے جلے ہوئے گوشت کی بو آیا کرتی تھی، کیونکہ آپ کا کلیجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے غم میں بالکل جل گیا تھا، واللّٰہ أعلم بالصواب.

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

ازدواجی زندگی اور طلاق کی حقیقت

مولانا سید صہیب حسینی ندوی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ سب کی ضروریات پیدا کی ہیں اوران ضروریات کو پورا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے، جب ہم دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو جمادات ،نباتات اور حیوانات کی شکل میں ہم کو تین اہم چیزیں نظر آتی ہیں، جب ان کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمادات یعنی پہاڑ و ٹیلے گول دنیا کو تھامنے کے لیے بنائے گئے ہیں اور نباتات یعنی پیڑ پودے حسن وجمال، آب وہوا کی صفائی اور انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور حیوانات اللہ کی صناعی اور قدرت کے نمونوں کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے سواری اور کھانے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، نباتات کے اندر نمو اور اضافہ ہوتا رہتا ہے، ان کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے، ان کا نظام اللہ تعالیٰ نے جڑیں پیدا کر کے زمین کے اندر سے طاقت لے کر تنے کے ذریعہ ہر ہر ٹہنی اور پتوں کی رگوں کے ذریعہ اپنی طاقت حاصل کرتی رہتی ہیں اور حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی رہنمائی کے نتیجہ میں ان کی خواہشات، ضروریات اور غذا کو پورا کرنے کے لیے ان کے ذہن کو چلاتا رہتا ہے اور وہ اپنی خوراک چل پھر کر حاصل کر لیتے ہیں، اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے: "تغدو خماصاً وتروح بطاناً" یعنی خالی پیٹ صبح کو نکلتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اور دنیا کو اسی کے لیے سجایا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات کہہ کر حکم دیدیا کہ رب العالمین کے نظام کے مطابق زندگی گزارو اور اس دنیا سے فائدہ اٹھاؤ، اور صحیح رہنمائی کے لیے قرآن کریم عطا فرمادیا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بہترین زندگی، کامل زندگی، بہترین اسوہ کہہ کر پیش کردیا اور آپؐ کے دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو تیار کردیا جس نے دنیا پر حکمرانی کر کے نظام عدل و انصاف اور نظام حق کو کر کے دکھایا ہی نہیں بلکہ اس کو دنیا میں نافذ کر کے دکھادیا کہ دشمن بھی اعتراف حق پر مجبور ہوگئے۔

دین اسلام دین فطرت ہے، دین اسلام ہر ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے اور ہر ہر شعبہ حیات کے لیے اصول وضابطے اور احکامات دیے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کی ایسی تعلیمات دی ہیں کہ اگر ان پر عمل کرلیا جائے تو دنیا چین وسکون اور امن وامان کا گہوارہ بن جائے گی اور ہم جتنا زیادہ دین اسلام کی تعلیمات سے دور ہوتے چلے جائیں گے تو اپنے لیے مصائب، پریشانیاں اور بے چینیوں کو جنم دیں گے، آخر میں نتیجہ یہ نکلے گا کہ ے

نہ خدا ہی ملا اور نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے رہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کھانے پینے اور خواہشات کا ذوق رکھا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے راستے دکھائے ہیں، کھانے پینے اور بھوک و پیاس کے لیے رزق حلال، رزق طیب حاصل کرنے کا حکم دیا اور اسکی دعا بھی سکھائی ہے اور سختی کے ساتھ حرام سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس سے پناہ بھی مانگی ہے اور حرام کو دوزخ کے انگاروں سے تشبیہ دی ہے اور اسی طرح طبعی نسوانی خواہش کے لیے نکاح کا ضابطہ پیش کردیا ہے اور اس فطری خواہش کو اچھی طرح پورا کرنے کے لیے سنن انبیاء اور ہماری سنت کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی مکمل تعلیمات اور احکامات دیے ہیں اور اس کو عبادت بنادیا ہے اور اس کے خلاف کرنے پر بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان فرمایا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم نکاح کے صحیح طریقہ کو جان کر اس پر خود بھی عمل کریں اور دوسرں کو بھی اسکی دعوت دیں تاکہ ہماری زندگی دین ودنیا دونوں اعتبار سے بہتر سے بہتر ہوجائے اور دنیا چین وسکون اور جنت کا نمونہ بن کر حقیقی آخرت والی جنت میں پہونچانے کا ذریعہ بن جائے ورنہ یہ نکاح بربادی، تباہ کاری، خودکشی، جلائے جانے اور طلاق کے بدنما اور وحشت ناک مناظر کو جنم دے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: "فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" (عورتوں میں جوتم کو اچھی لگیں ان سے نکاح کرو، دو سے تین سے یا چار سے اور اگر تم کو اسکا اندیشہ ہو کہ سب کے ساتھ عدل وانصاف نہیں

کرسکو گے توصرف ایک ہی سے کرنا)۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:"ان المراة تنكح على دينها و مالها و جمالها فعليك بذات الدين تربت يداك " یعنی عورت سے شادی دینداری کی بنیاد پر یامال ومنال کی بنیاد پر یاپھر حسن وجمال دیکھ کرکی جاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ دیندار کو اختیار کرکے کامیابی حاصل کرو۔اسی طرح ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: "خير متاع الدنيا المرأة الصالحة" (دنیا کی بہترین چیز نیک بیوی ہے)، اس کے علاوہ نیک بیوی کی صفات بیان کرے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: اطاعت شعار،وفادار اورمرد جب بھی دیکھے خوش کردینے والی۔

قرآن کریم اوراحادیث مبارکہ میں مردو عورت دونوں کونیک وصالح ہونے کاحکم دیاگیاہے اوراپنے اپنے حقوق وذمہ داریوں کواچھے طریقہ پراداکرنے کی تائید بھی آئی ہے۔

شریعت مطہرہ نے دینداری کے ساتھ ساتھ اسکابھی حکم دیاہے کہ اپنے رہن سہن اور معیار کوسامنے رکھتے ہوئے بیوی کا انتخاب کرنا تاکہ زندگی کا بیلنس برابررہے اورگاڑی اچھے انداز سے دوچکوں پرچلتی رہے اسی بات کولفظ کفاءت سے اداکیاہے۔

شادی میں اس بات کابھی حکم دیاگیاہے کہ نکاح اس نیت وارادہ سے کرناضروری ہے کہ ہمیشہ اپنے ساتھ اس کورکھیں گے اوراگرچنددنوں اورچند سالوں کاارادہ کایاتونکاح حرام ہوجائیگا۔

جب ان باتوں کاخیال کرکے شادی کی جائے گی تویہ ایسی عبادت بنے گی کہ آدھا ایمان صرف اسی کی وجہ سے محفوظ ہوجائیگا اوردائمی سنت پرعمل کرنے کاثواب ملتارہے گا۔

جب لڑکااورلڑکی نکاح کے ذریعہ ایجاب و قبول کرلیتے ہیں توعورت کے مرد کے اوپرتین بنیادی حق لازم ہوجاتے ہیں:۱-کھلانے پلانے کی ذمہ داری،۲-لباس کی ذمہ داری،۳-گھر گھرستی کی ذمہ داری۔ان تینوں چیزوں میں شوہر کے معیارکو سامنے رکھتے ہوئے مکلّف بنایاگیا اورحکم دیاگیا ہے کہ بھلے اوراچھے انداز سے برتاؤ کرنا، ارشاد ربانی ہے:"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"(بیویوں کے ساتھ اچھے انداز سے معاملہ کرو)اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تویہاں تک فرمایا کہ:"خيركم خيركم لنساء ه وانا خيركم لاهلي"(تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جواپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہیں اورمیں بھی اپنی بیویوں کے حق میں بہترہوں)۔

ان تین بنیادی ذمہ داریوں کے اداکرنے میں جوبھی کوتاہی کریگااللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی۔

عورت کے اوپرشوہر کے سلسلہ میں بہت سی ذمہ داریاں عائدہوتی ہیں لیکن اس سب کی بنیاد ایک چیز ہے،اگرعورت اس کواختیارکرلے تودین ودنیا کی کامیاب عورتوں میں اس کاشمار ہوگااوروہ ذمہ داری شوہرکی اطاعت کرناہے، سب سے زیادہ عورت کواسی چیز کاحکم دیاگیاہے کہ وہ اپنے شوہرکی اطاعت کرے، فرمانبرداری کے ساتھ پیش آئے ،حکم کوماننے والی بنے، چاہے ہانڈی کے جل جانے کاخطرہ ہو،نافرمانی بالکل جائزنہیں ہے،نافرمان عورت جہنم کاایندھن بنے گی اور فرمانبردارجنت میں جائے گی، یہ سب باتیں احادیث مبارکہ میں آئی ہیں اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مزید سمجھانے کے لیے فرمایا کہ اگرمیں کسی کوحکم دیتا کہ وہ سجدہ کرلے تومیں بیوی کوحکم دیتا کہ وہ اپنے شوہرکوسجدہ کیاکرلے لیکن کیونکہ سجدہ کسی کے لیے جائزنہیں ہے،اس لیے بیوی کوحکم نہیں دیاگیا،سجدہ توصرف اللہ تعالیٰ کوزیب دیتاہے،یہ صرف اللہ کاحق ہے۔

جب ہمارے سامنے زن وشوہر،میاں بیوی اورعورت ومرد کے بنیادی حقوق آگئے تویہ جاننا آسان ہوگیاکہ جب گاڑی کے دونوں پہیے،زندگی کے دونوں چکر،گھر کی دونوں رونقیں اورفطرت کے دونوں انمول نمونے اپناپنا کام صحیح طور پر کرتے رہیں گے اوراپنی اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہیں گے توخرابی آنے، بگاڑ پیداہونے اورفتنہ وفساد کا امکان نہیں ہوگا اورزندگی کی گاڑی خوبصورتی کے ساتھ رفتاربھرتی چلتی رہے گی اوردوسروں کے لیے بھی بہترین نمونہ بن جائے گی،اسی بات کوزبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے گھر سے تشبیہ دی ہے،اور جب جب حقوق اللہ،حقوق العباداور حق شوہروحق بیوی میں کمیاں آئیں گی توگھرجہنم کانمونہ بنناشروع ہوگا،آہستہ آہستہ شیطان اپناکام کرتارہے گا،نافرمانی ، بدزبانی ،بدکلامی ،توتومیں میں سے ابتدائی ہوکرماردھاڑ کے بعدطلاق کی بدنماشکلیں نظرآنا شروع ہوجائیں گی اوریہ لڑائی دوافراد سے دوخاندانوں کوبربادکرتے کرتے اسلام کے لیے بدنماداغ ثابت ہوگی اوردوسروں کودین اسلام پرکیچڑاچھالنے کاموقع فراہم کرے گی۔

دین اسلام فطرت ہے، دین انسانیت ہے، اس نے ان ساری تعلیمات کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہاہے کہ ہوسکتاہے کہ میاں بیوی کے مزاج نہ مل رہے ہوں،دونوں ایک ساتھ نہ رہ سکتے ہوں تواس

کے لیے علی الترتیب قرآن کریم نے چار باتیں کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد طلاق کی اجازت دی لیکن اس کو پسند نہیں کیا، اسی لیے زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:
"ابغض الحلال الی اللہ الطلاق" (حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ نفرت طلاق سے ہے) طلاق کا آپشن اور اجازت صرف اس لیے ہے کہ عورت عزت کے ساتھ اپنے گھر چلی جائے اور دوسرے شوہر کو اختیار کرنے کا راستہ کھل جائے، مارے جانے جلائے جانے اور بے عزت کیے جانے سے محفوظ ہو جائے، آگے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ طلاق کے کیا ضابطے ہیں، رخصت کس طرح کرنے کا حکم ہے اور عورت کو بعد میں کن چیزوں کی اجازت ہے۔

میاں بیوی آپس میں اپنے رشتہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں، اگر شرعی وجہ سے بات نہیں بن رہی ہے تو قرآن کریم نے چار باتوں کا اس طرح حکم دیا ہے:
"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا".

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر عورتوں میں نافرمانی پائی جائے، تو پہلا حکم یہ ہے کہ نصیحت کرو سمجھاؤ، اس کے باوجود نہ مانے تو دوسرے مرحلہ میں بستر الگ کر لو، تنہائی کا احساس دلاؤ، اگر عقل مند ہے تو مان جائے گی، اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو تنبیہ کے راستے اختیار کرو چاہے ہلکی مار ہی مارنا پڑے، اس کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن کریم نے ان تینوں سے اگر معاملہ حل نہ ہو رہا ہو تو چوتھا حکم یہ دیا ہے کہ دونوں طرف کے ذمہ داروں کو جمع کرنے آخری حد تک صلح کی کوشش کرو، ارشاد ربانی ہے:
"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا".

ان چاروں راستوں کے بعد اگر بات نہیں بن رہی ہے تو گھر کو جہنم کدہ بنا کر رکھنا یا عورت کو پریشان کرتے رہنا یا مار ڈالنے کی کوشش کرنے سے بہتر یہ راستہ شریعت نے بتایا ہے کہ طلاق دے کر عزت کے ساتھ اس کو گھر واپس کر دو، اور طلاق کے لیے بھی اصول وضابطے اور احکامات دیے ہیں کہ طہر کی حالت میں ایک طلاق رجعی دیکر اس کو چھوڑ دو اور گھر میں ہی رکھو، اگر آپس میں اب بھی بات بن جائے تو رجوع کر سکتے ہو ورنہ عدت کی مدت ختم ہو جانے پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اس کے بعد دوبارہ نکاح کی صورت باقی رہے گی، عدت گزرنے کے بعد جب اس کو گھر بھیجا جائے تو قرآن کریم کہتا ہے کہ احسان کے ساتھ، عزت کے ساتھ اور احادیث مبارکہ میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ کپڑا وغیرہ دے کر اس کو اس کے گھر پہونچا دو تا کہ وہ عزت کے ساتھ دوبارہ اپنی زندگی کا آغاز کر سکتے اور اپنا دوسرے سے نکاح کر کے گھر بسانا چاہے تو بسا سکتی ہے۔

اگر ہم قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزار رہے ہوتے تو وہ صورتیں معاشرہ میں نہ پیدا ہوتیں جو ہو رہی ہیں، آج ہم نے خانگی زندگی کو کھلواڑ بنا دیا ہے، قرآن حدیث کا مزاق اڑاتے ہوئے جس طرح جی چاہ رہا ہے عورت سے برتاؤ کر رہے ہیں اور اگر طلاق تک نوبت پہونچتی ہے تو جو منھ میں آیا جس طرح آیا ادا کر دیا اور دھکے دے دیکر صنف نازک کو ذلیل کرتے ہوئے گھر سے نکال دیا اور ظالمانہ طرز زندگی کو اختیار کرنے کی وجہ سے بدنامی، ذلت، پکڑ اور سختی ہمارا مقدر بن گئی، خود بھی ذلیل و خوار ہوئے اور پاکیزہ دین اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بن گئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب جب تم قرآن وحدیث سے دور ہو گے، اس کے خلاف کرو گے، ظالم بن کر زندگی گزارو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اس سے بڑا ظالم مسلط کر دے گا اور پھر تمہاری دعائیں بھی مقبول نہیں ہوں گی۔

ہم نے ظلم وناانصافی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بڑے ظالموں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے ایسا قانون بنانے کی کوشش کی جو ہر اعتبار سے انصاف اور عقل سے ماورا ہے اور فطرت سلیم سے جنگ کرنے والا ہے، اصلاً یہ ایک سازش ہے جس کے ذریعہ مسلم معاشرہ کے خاندانوں اور گھروں کو برباد کرنے، بکھیرنے، آپس میں لڑانے اور کمر توڑ کر ختم کرنے کا منصوبہ ہے، ہمیں اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہیے، ان کے فتنوں اور دسیسہ کاریوں سے اپنے کو بچانا چاہیے اور یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب کہ ہم پورے کے پورے مسلمان بن جائیں، ہماری زندگی قرآن وحدیث کی روشنی اور اس کے دائرہ کے اندر گزرنے والی بن جائے، اللہ تعالیٰ ہم کو فتنوں سے بچائے اور ہر ہر عمل شریعت مطہرہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو ظلم وناانصافی سے بچائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

کاروان علم ودعوت

دوسری قسط

انسانی سماج قرآن وحدیث کی حکمرانی کا محتاج

گجرات کا دینی ودعوتی سفر، شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ -- اپریل، مئی ۲۰۱۸ء

محمود حسن حسنی ندوی

بیجاپور، ویس نگر، اور پٹن کے پروگرام

مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۲۹/اپریل ۲۰۱۸ء کی تاریخ جامعۃ النور پٹن کی مرکزی عمارت کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے لی تھی، اور یہی اس سفر گجرات کا باعث بنا جو ممبئی سے شروع ہوکر ممبئی پر ختم ہوا، تقریباً دو ہزار کیلومیٹر کا یہ سفر روڈ کا ممبئی سے ممبئی تک کا تھا جس کے لیے مولانا اسماعیل بھولا ندوی اور ان کے دوست حاجی شاہنواز علی گڑھی نے اپنی گاڑیاں ساتھ کی تھیں، حضرت مولانا مدظلہ، حاجی شاہنواز کی گاڑی پر تھے، یہ ایک مخلص دیندار اور تبلیغی جماعت سے وابستہ اہل تعلق میں ہیں، جمعرات ۲۶/اپریل کو جمبوسر اور پھر جمبوسر سے اسی شام کو رویدرا، جمعہ ۲۷/اپریل ۲۰۱۸ء کو ہانسوٹ، پانولی ہوتے ہوئے کھروڈ میں جمعہ پڑھا اور عصر کو کاپودرا حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی زیارت کرتے ہوئے آگے سفر جاری رکھا گیا اور رات بڑودہ میں قیام گیا، مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی اوران کے رفقاء کھروڈ سے ساتھ ہوگئے، کھروڈ میں مولانا محمد سفیان قاسمی خلف الرشید حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ سے ملاقات ہوئی، اور اس موقع پر ان سے تسلی و تعزیت اورتعلق کے کلمات کہے گئے۔

بڑودہ میں قیام ممبئی کے مخلص اہل تعلق منصور بھائی مہتہ کی خواہش پر ان کے ہوٹل میں کیا گیا جو بڑودہ شہر میں ہے، اور رات گزاری گئی، یہاں گودھرا سے مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی، مولانا حافظ عبدالستار، مولانا محمد اختر ندوی استاذ دارالعلوم گودھرا وغیرہ صبح آگئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ گودھرا روانہ ہوا جائے، اور وہاں دار السنۃ کی عمارت کا افتتاح ہوجائے، مگر بیجاپور اور ویس نگر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے گودھرا کو مؤخر کیا گیا، اور سنیچر ۲۸/اپریل کو ظہرانہ بیجاپور میں بھائی سعید عبدالغنی ۹۹ ہرا کے یہاں تھا اور وہیں دوپہر اور عصر کا وقت گزار کر ویس نگر حاجی عبدالقیوم بلاڈی والد کی دعوت پر جاکر عشاء بعد پروگرام پر عمل کیا گیا جس میں پہلے مولانا سید صہیب حسینی ندوی استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا خطاب ہوا، جس میں دنیا و آخرت کے تقاضوں کو ایمانی وللٰہی زندگی گزارنے کے ساتھ پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کو برتتے تھے مگر دین کو اس سے غالب رکھتے تھے، اور آخرت کو پیش نظر رکھتے تھے اور جو بھی چیز دین سے ٹکراتی اور اس میں اللہ کی رضا جوئی کا پہلو نظر نہ آتا اس سے پہلو تہی کرتے، اسلام میں ربانیت ہے، رہبانیت ہے، دنیا کو برتنا ہے مگر دین کو غالب رکھنا ہے، اور جو بھی عمل کرتا ہے وہ اللہ کے لیے کرتا ہے، اس کے ساتھ یہ توجہ دلائی کہ اللہ کے احسانات اور انعامات بے شمار ہیں، ان کو ایک ایک کرکے یاد کرتے رہنے چاہیے، صرف ایک گلاس پانی روک دیے جانے سے بادشاہ اپنی ساری سلطنت اس کے لیے قربان کو تیار ہوجائے گا، یہ ہے انسان کی حیثیت اور حقیقت لیکن اس کو تھوڑی زیادہ طاقت، تھوڑی زیادہ دولت، تھوڑا زیادہ علم یہاں تک کہ تھوڑا زیادہ عمل مل جاتا ہے تو وہ اپنے کو دوسرے سے ممتاز سمجھنے لگتا ہے، اللہ والوں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ اللہ والے اپنے کو اور حقیر اور چھوٹا سمجھنے لگتے ہیں، اور جس کا تعلق اللہ سے کمزور ہوتا ہے وہ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا اور کم تر سمجھنے لگتے ہیں، ہر عمل وکردار میں اس کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے، خطاب کے بعد حضرت والا کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

رات کو کھانے اور قیام کے لیے ٹھہرنا آسان نہ تھا، اسی وقت فیروز پور، پالن پور کے لیے روانہ ہوا۔ مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے مکان پر رات گزاری گئی جہاں ان کا خاندان چشم براہ تھا۔

بیت الحمد فیروزپور پالن پور کا سہ روزہ قیام

بڑودہ سے بیجاپور جو احمد آباد سے آگے ہے اور ویس نگر ہوتے ہوئے رات کا قیام بیت الحمد فیروزپور پالن پور میں کیا گیا، جس کے داعی مولانا اسماعیل بھولا ندوی تھے، جہاں ان کے والد حاجی یاسین بھولا اور دوسرے افراد خاندان چشم براہ تھے، یہاں کی اہم شخصیتوں میں مولانا حبیب اللہ فیروزپوری بڑے عالم حدیث اور باکمال شاعر و ادیب گزرے ہیں، جن کی زندگی قابل رشک اور موت بھی قابل رشک ہوئی تھی، وہ عرصہ تک

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث کے بڑے استاد کے طور پر رہے، اور صحیح بخاری بھی پڑھائی، اس زمانہ میں 'تعمیر حیات' میں ان کے دینی ملی حمیت و غیرت کو بیدار کرنے والے اشعار بھی شائع ہوا کرتے اور ان کے کئی شعری مجموعے بھی شائع ہوئے، جن میں ایک مجموعہ "صور اسرافیل" بھی ہے جو بال جبرئیل کا جواب ہے۔

دنیاوی حیثیت کے کئی بڑے لوگ ہندوستان صنعت وتجارت پر چھائے، ان میں شاہد بالواس کی بڑی شہرت ہے، مولانا اسماعیل بھولا ندوی کا بھی صنعتی ادارہ ہے جس کی اشیاء عالمی منڈی میں پیش کی جاتی ہیں اور کام کی صفائی سے وہ مقبول ہوتی ہیں، ان کے دادا داؤد بھولا بڑے صالح اور متدین شخص ہے جن کے تین صاحبزادے ہیں، حاجی یاسین بھولا سب سے بڑے، پھر عثمان بھولا صاحب پھر احمد بھولا صاحب، افسوس کہ عثمان بھولا صاحب چند ماہ قبل اچانک وفات پاگئے، یہ ایسا صدمہ اس مخلص دین پسند خاندان کے لیے تھا جس کو صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے ہی برداشت کیا جاسکتا تھا، اور ابھی قریب ہی عرصہ میں ایک دوسرے قریبی فرد خاندان حاجی سعید بھولا صاحب نے بھی وفات پائی، یہ بزرگوں وعلماء کے منظور نظر اور خود بڑے ہی محبِّ مخلص اور بڑے مہمان نواز وخدمت گزار شخص تھے، مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی اور ہم لوگ ان کے ہی گھر تقریب کے لیے گئے۔

قریب آباد بستیوں کے لوگ اور اہل علم و فضل ملاقات کے لیے آتے رہے، ان میں مولانا ثناء اللہ، مولانا یاسین کاکوروی، مولانا نظام الدین خاموش، مولانا عبدالباقی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ علاقہ پالن پور کے علاقہ کے طور پر معروف ہے اور یہاں کے لوگ پالن پوری کہے جاتے ہیں، اپنے مشترک کاروبار میں اور امانت دیانت میں مشہور ہیں اور یہاں سے کریتی تک ہوٹل کا نظام ان کے ہاتھ میں ہے، علاقہ میں شیعہ عقائد کے لوگ بھی ہیں مگر سخت اور متشدد نہیں ہیں اور خود بڑی سنی آبادی بھی ان حضرات کی ہے جس کے بزرگوں نے شیعیت سے بھی توبہ کی، یہ لوگ تین چار صدی قبل گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت پیر مشائخ کا بڑا احسان مانتے ہیں، جن کی صرف چالیس بیالیس سال عمر ہوئی تھی اور بڑی اصلاح وہدایت ان کے ذریعہ پھیلی جبکہ قریبی عہد کے علماء میں مولانا نذیر پالن پوری کے بڑے ممنون نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے اسی علاقہ میں ان کے مفید صالح مولانا عبدالقدوس ندوی پالن پوری کو بڑی عزت حاصل ہے، دعوت وتبلیغ کے ترجمان مولانا محمد عمر پالن پوری کے فیوض وبرکات سے ان کی اپنی قوم وعلاقہ کیسے محروم رہتا، انھوں نے تبلیغ سے جوڑ کر اس پوری برادری کو جو مومن قوم کہلاتی ہے، اپنی دین پسندی، خدمت خلق، دعوت وتبلیغ دین سے ایسا متعارف کرایا، کہ ہر جگہ اس کی پہچان ہے، ارباب علم وفضل میں مولانا سعید احمد پالن پوری ممتاز ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین دونوں منصب پر فائز ہیں۔

جیسا کہ پچھلی سطروں میں مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے دادا داؤد بھائی بھولا مرحوم بڑی خصوصیات کے انسان تھے اور بڑی محتاط زندگی گزاری جس کی برکات ان کی نسل میں دینی ودنیوی دونوں اعتبار سے ظاہر باہر ہیں۔

مجلس توبہ

بیت الحمد میں ایک مجلس توبہ (بیعت کی مجلس) منعقد ہوئی، جس میں مرشدالامۃ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے الفاظ بیعت (توبہ) کہلانے سے قبل کچھ تمہیدی گفتگو بھی فرمائی، جو ریکارڈ کرلی گئی تھی، وہ حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أشهد أن لآ إلٰـه إلاّ اللّٰـه وأشهد أنّ محمداً عبدهٗ ورسولهٗ

بیعت حقیقت میں توبہ ہے کہ کسی شخص کے مشورہ اور دین سے واقف کے سامنے جو اس کا مجاز ہو توبہ کرنا، جس کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے وہ اس کا گواہ بن جاتا ہے، توبہ اللہ کا بڑا انعام ہے، اور تحفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بسائی ہے، انسانوں کا امتحان لینے کے لیے، کہ اللہ کو مانتے ہیں، یا کسی دوسرے کو مانتے ہیں، مسئلہ یہ آجاتا ہے، کہ جی کچھ چاہ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور چاہت کچھ اور ہے، اب آدمی کیا فیصلہ کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے، کہ تمہارے سامنے ایسا مسئلہ آجاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اپنے دلوں کو مانو گے یا اللہ کو مانو گے، مگر مزا اور لطف دل چاہنے میں ہوتا ہے، اس لیے انسان وہاں پھسل جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ دیا، زندگی دی، طاقت دی، دولت دی، عزت دی اور سب کچھ دیا وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اللہ کا احسان وانعام مانتے ہو کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے اس کی بڑی مخلوق ہے، فرشتے ہیں، اور دوسری سب مخلوقات ہیں مگر انسان اور جنات کو اختیار دیا گیا، جن وانسان کے لیے یہ مواقع بہت آتے ہیں کہ دل کچھ چاہ چاہ رہا ہے، اور اللہ کی مرضی کچھ اور ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں کا مقصد حیات صاف صاف بتادیا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ.

اور اللہ کی مرضی اور چاہت کے خلاف کرنے کی صورت میں مؤاخذہ اور سزا کی بات بھی صاحب فرمادی: مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ، کہ برائی کی سزادی جائے گی مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ توبہ رکھی ہے کہ بندہ معافی مانگ لے اور اعتراف قصور کرلے کہ غلطی ہوگئی، اللہ تعالیٰ ایسا کریم اور رحیم ہے کہ اس پر معاف کردیتا ہے، اور بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کردیتا ہے، یہاں تک کہ شرک وکفر ونفاق جیسے گناہ کو بھی اگر سچی توبہ کرلی جائے تو معاف فرمادیتا ہے، توبہ کے اس عمل کو تھوڑا اہتمام کرکے کیے جانے کی ضرورت ہے کہ دوسرے کو گواہ بنا کرکی جائے، اس کا اثر پڑتا ہے، جس کے ہاتھ پر یا جس کے کہلاتے ہوئے الفاظ پر اس کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے، اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اس عمل کو انجام دے اس کو اطلاع کی جاتی ہے، اس میں وہ صورت پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کو گواہ بنایا، اور اپنی نئی ایمانی زندگی گزارنے کے لیے جو عہد کیا، اس میں اس کو اپنا امیر بنایا، اس سے لحاظ اور حیثیت کی ایک کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، اور دل میں اہمیت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم جو اس موقع پر مرد وخواتین کو جو الفاظ بیعت (توبہ) کہلاتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

الفاظ بیعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أشهد أن لآ إلٰهَ إلاّ اللّٰه وأشهد أنّ محمداً عبدهٗ ورسولهٗ

(ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی سب کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں، اور آخری رسول ہیں، ہم ان کو رسول مانتے ہیں)۔

اے اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں، کفر سے شرک سے بدعت سے جھوٹ بولنے سے، چوری سے، بہتان لگانے سے اور ہر گناہ سے چھوٹا گناہ ہو یا بڑا، سب سے توبہ کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے۔

اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور توفیق دے نیک عملوں کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی۔

توبہ کے بعد کی ہدایات

یہ الفاظ ہیں بیعت کے، یاد رکھنے جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوتا ہے اور اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے، یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوگا، نہیں چاہے تو نہیں ہوگا، چاہے جو تدبیر کرلی جائے، ہر تدبیر بے کار ہوجاتی ہے، شفا دینا چاہتا ہے تو شفاء ہوتی ہے ورنہ کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی، یہ یقین ہونا چاہیے کہ ألا لـه الـخلق والأمر یاد رکھو پیدا کرنا بھی اس کا کام اور نظام چلانا بھی اسی کا کام ہے، کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، توبہ سے پہلے اور توبہ کے بعد بھی اس لیے ہم کو توبہ کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف کردے، ہم توبہ کرتے ہیں۔

نماز توبہ پڑھ کر دعا بھی کرلیا کریں، اور دعا برابر کرتے رہیں، دعا کو حدیث شریف میں عبادت کہا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں دعا کو کہا ہے، اور ضرور تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا "اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ"۔

اس طرح دعا کرتے رہیں کہ ہم کوشش کر رہے ہیں، مگر ہمارے بس میں نہیں ہے، آپ چاہیں گے تو ہم بچ سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیے۔

نمازوں کی پابندی اور قرآن پاک کی تلاوت کا معمول رکھیں، اس سے اعمال صالحہ کی توفیق ملے گی اور اچھی زندگی حاصل ہوگی، ابتدائی تسبیحات کا اہتمام کیا جائے، سو بار استغفار، سو بار درود شریف اور سو بار تیسرا کلمہ سبحان الله، الحمد لله، لآ إلٰهَ إلاّ الـلّٰه، اللّٰه اكبر، اس سے گناہوں سے بچنا آسان ہوگا، اور اللہ کا تعلق بڑھے گا، اسی طرح درود شریف کے اہتمام اور اس کی کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھے گی اور اتباع سنت کا عمل آسان ہوگا، استغفار کا عمل اعتراف مقصود بھی ہے اور دعا بھی اور توبہ بھی، اس طرح اس کے ذریعہ توبہ بھی ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور توفیق عطا کرے۔

دعا کیجیے

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ.

اَللّٰهُم اَحۡسِنۡ عاقِبَتَنَا فِی الۡاُمورِ كُلِّهَا وفي الدُّنۡيَا وَالاٰخِرَةِ.

(اے پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرما، اور ہماری دعاؤں کو قبول فرما)۔

وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلىٰ اٰله وسلم تسليمًا كثيرًا.

شفاء ہاسپٹل

فیروز پور کے قیام میں ایک دن شفاء ہاسپٹل کی تقریب میں شرکت کے لیے جانا ہوا جو مغرب وعشاء کے درمیان منعقد ہوئی اور اس کی تیسری منزل کا افتتاح عمل میں آیا، اس افتتاحی تقریب کی نظامت مولانا ثناء اللہ نے کی، مولانا یاسین

کاکوسی علاقہ کے متعدد علماء کی سرپرستی میں یہ اسپتال انسانی خدمت کے جذبہ سے مریضوں کی اخلاقی وایمانی رہنمائی کا کام بھی کرتا ہے، اس طرح یہاں کے مریض اپنی جسمانی شفایابی کے ساتھ روحانی طور پر بھی شفا حاصل کرتے ہیں، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے یہاں اپنے خطاب میں کہا کہ:

یہ شفاخانے خدمت خلق کا، اور مریضوں تک اسلامی تعلیمات پہنچانے، اور انسانی اخوت کے اسلامی ہدایات سے واقف کرانے کا بہترین ذریعہ ہیں جن سے اسلام کے نظام اخلاق کو سمجھنا عملی طور پر آسانی ہوجاتا ہے، مسلم حکومتوں میں پہلے اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ مریض کو اعصابی طور پر طاقت پہنچائی جائے اور اس کو اطمینان دلایا جائے کہ تم اتنے بیمار نہیں ہو جتنا اپنے کو بیمار سمجھ رہے ہو، یہ چیز قوت مدافعت کو بڑھانے میں بہت کام دیتی ہے، جب کہ آج اس کے برعکس ہورہا ہے اور لوگ مریض کو ڈرا کر اس کو دہشت زدہ کردیتے ہیں، اور تیمارداروں کو اور خود مریض کو زمین اور جائداد فروخت کرکے اپنا علاج کرانا پڑتا ہے، یہاں تک کہ مقروض ہوجاتے ہیں اور ذہنی مریض ہوجاتے ہیں، اس لیے ایسے شفاخانے جگہ جگہ قائم کرنے کی ضرورت ہے، جہاں مریض آکر اپنے کو اسپتال میں نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اپنے گھر میں سمجھے، اور یہ یقین پیدا کرادیا جائے کہ شفا اللہ عطا فرمائے گا، بعض بڑے اچھے ڈاکٹر ومعالج ہوئے ہیں مگر شفا ان کے ذریعہ مقدر نہیں، تو محض ہمدرد ڈاکٹر دوسرے کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں، ہمارے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی بڑے اچھے معالج تھے، مگر بڑے عالم اور بڑے پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، وہ انگریزی، یونانی اور ہومیوپیتھی تینوں علاج سے واقف تھے، وہ اسی صورت میں علاج بدل دیتے اور دوسری صورت میں کسی دوسرے ڈاکٹر یا حکیم کی طرف رجوع کرنے کو کہتے اور پتہ بھی بتادیتے، اس کی بالکل فکر نہ کرتے کہ ان کا اپنا دواخانہ متاثر ہوگا، اللہ نے ان کے ہاتھ میں بڑی شفا رکھی تھی، یہ ان کے تقویٰ، اخلاص اور انسانی ہمدردی کی کھلی برکت تھی۔

یہ شفا اسپتال جیسا کہ معلوم ہوا ہمارے ہمدرد، مخلص اہل تعلق جن میں علماء بھی ہیں، چلارہے ہیں، وہ ان تمام خصوصیات کا خیال رکھتے ہیں، اس طرح یہ ایک نمونہ کا اسپتال بن گیا ہے، اور نام کا اثر ہوتا ہے، اور اسی طرح نیتوں اور مقاصد کا بھی اثر ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں مریض آتے ہیں اور الحمدللہ شفایاب ہوکر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کوششوں کو قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس کا نفع پہنچائے۔

جامعۃ النور کی جدید عمارت کا افتتاح

کنز مرغوب پٹن کی جامع مسجد میں اوائل سنبلیہ کا درس اور اجازت حدیث کی مجلس:

اوائل سنبلیہ پڑھ کر اجازت حدیث کی اس خصوصی مجلس کی تفصیلات اس کے داعی ومنتظم مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ومجاز حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے دی ہیں کہ مرشدی حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے اس پورے سفر کی زحمت برداشت کرنے میں ایک بڑا محرک حضرت کی اپنے مزاج کی خاص بات خوردنوازی تھی، چناں چہ ۲۹؍اپریل کو حضرت کا پروگرام جامعۃ النور، رختاواڑہ، پٹن کی تعمیر کا افتتاح تھا، اس کے ساتھ ایک اہم پروگرام اوائل سنبلیہ سنا کر سامعین کو اس کی سند کی اجازت مرحمت فرمانا بھی تھا۔ عصر بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم جامعۃ النور تشریف لائے۔

حالانکہ جامعۃ النور کی تعمیر میں کچھ کام باقی رہ جانے کی وجہ سے دعا پر اکتفا کیا گیا، جبکہ اہل تعلق اچھی تعداد میں عمارت میں جمع ہوگئے تھے اور ان کے لیے اسی جدید عمارت کی بالائی منزل میں عشائیہ کا انتظام تھا، مغرب بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے عمارت کے باب الداخلہ پر تشریف لاکر دعا کرائی اور اس کے ذریعہ افتتاح فرمایا، لیکن دوسرا پروگرام مدرسہ کنز مرغوب میں رکھا گیا، اس کی مسجد کی وسعت مدرسہ کے قدیم اور سلف کی یادگار ہونے اور منتظمین مدرسہ کے ہمیشہ حسن تعاون کی وجہ سے، چناں چہ الحمدللہ بہت کامیاب رہا، حضرت نے اوائل سنبلیہ میں مرقوم تمام احادیث بذاتِ خود پڑھ کر سنائیں جیسی خاصا وقت بھی صرف ہوا اور حضرت کی پیرانہ سالی، سفر اور ضعف کی وجہ سے کافی زحمت بھی برداشت کی اور سب سامعین کو جس میں احقر، مولانا ثناء اللہ رسولپوری، مدرسین کنز مرغوب کے علاوہ بھی اطراف کے علماء کی ایک تعداد نے شرکت کی، حضرت نے زبانی اجازت کو اسی وقت عنایت فرمادی اور شرکاء کے نام اپنی شرائط کے ساتھ لکھنؤ بھیجنے پر تحریری اجازت کا بھی وعدہ فرمایا، اللہ تعالیٰ بصد عافیت حضرت کے سایہ کو ہمارے سر پر قائم رکھے اور ہمیں ہمیشہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس کے بعد فیروز پر رات میں قیام کرکے دوسرے دن گودھرا کے پروگرام میں شرکت کے لیے سفر فرمایا۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

● ....محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: **فتاویٰ اشرف العلوم**

جامعہ عربی اشرف العلوم، کنہواں سیتامڑھی بہار کا قدیم معروف دینی تعلیمی ادارہ ہے، اس ادارہ کے قیام کو سوسال مکمل ہو چکے ہیں، اس کی صد سالہ تقریب کی مناسبت سے ادارہ کے دار الافتاء سے دینی مسائل میں دیے گئے فتاوی کا مجموعہ ادارہ کی مجلس تحقیقات علمیہ کی ترتیب و تحقیق کے ساتھ منظرِ عام پر لایا گیا ہے، ۳۶۷/ مجلد صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ایمان و عقائد، طہارت، نماز، امامت، جماعت، سجدۂ سہو، نماز جمعہ، مفسداتِ نماز، نمازِ جنازہ، زکوۃ و صدقات، حج، قربانی، وقف، متعلقاتِ مدارس، نکاح، مصاہرت، رضاعت، طلاق، فسخ نکاح، نفقۂ حضانہ، تجارت، سود، قسم ونذر، ہبۂ ووصیت، فرائض اور ان سے متعلق احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

جامعہ عربیہ اشرف العلوم ہی سے شائع ہوئی ہے اور قیمت ۲۵۰/روپیہ تجویز کی گئی ہے۔

نام کتاب: **تاریخ اشرف العلوم**

مؤلف: نسیم احمد القاسمی

''تاریخ اشرف العلوم- پس منظر، حالات، سوسالہ خدمات اور شخصیات کا سوانحی خاکہ'' جناب نسیم احمد القاسمی استاد جامعہ عربیہ اشرف العلوم، سیتا مڑھی بہار نے ترتیب دی ہے، یہ تاریخ نامہ تقریباً ساڑھے سات سو صفحات پر محیط ہے جس میں اس عظیم ادارہ کے جو ہند و نیپال سرحد پر واقع ایک دور افتادہ اور پسماندہ علاقہ میں دین وعلم کی نشر و اشاعت کے فرائض ایک صدی سے انجام دے رہا ہے، حالات، تجربات، خدمات، شخصیات، منہج و نظام اور اس سے متعلق دیگر امور سے تاریخی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔

جامعہ ہی سے شائع ہوا ہے اور قیمت ۴۰۰/ روپیہ تجویز کی گئی ہے۔

نام کتاب: **بنیاد اسلام**

مؤلف: ابونعمان یار محمد ندوی

چار حصوں پر مشتمل اسکولوں اور مدارس کے ابتدائی درجات کے لیے ایک عمدہ دینیات کا نصاب ہے، اقرأ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی، نصیر آباد رائے بریلی نے شائع کیا ہے۔

اس نصاب میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے اور حوالے بھی دیے گئے ہیں، جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق، بنیادی احکام، مسنون دعائیں، کلماتِ توحید، انبیاء کا تعارف وغیرہ موضوعات کو بچوں کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف حصوں میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ابتدائی حصے نسبتۂ زیادہ جلی حروف میں ہیں اور تمام حصے شستہ اردو زبان میں ہیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت سے متعلق جو بیداری بحمدہ تعالی آئی ہوئی ہے یہ نصاب بھی اسی کا حصہ ہے اور مفید معلوم ہوتا ہے۔

حصہ اول کی قیمت ۱۵/روپیہ اور حصہ چہارم کی قیمت ۳۵/روپیہ ہے، درمیانی حصے درمیانی قیمت کے ہیں۔

نام کتاب: **صفوۃ المصادر**

تحقیق: بدر عالم القاسمی

مولانا محمد مصطفیٰ خان [م:۱۸۹۱ء] کی تالیف فارسی زبان کے نصاب کی مشہور متداول کتاب ''صفوۃ المصادر'' جو'' آمد نامہ'' کے نام سے بھی معروف ہے' جامعہ عربی اشرف العلوم، بہار کے استاد بدر عالم القاسمی کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ سامنے ہے، محقق فاضل نے تحقیق کر کے تمام مصادر کی حرکات کو ضبط کیا ہے اور اسی طرح ان کے اردو ترجمہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی وہاں بھی حرکت لگادی ہے، جس سے بہت سی رائج غلطیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، جن کتب سے جہاں استفادہ کیا گیا ہے ان کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے جس سے مزید رجوع کی ضرورت پڑنے پر قاری کو کافی سہولت ہو سکتی ہے۔

اشرف العلوم سیتا مڑھی بہار سے شائع ہوئی ہے اور سیتا مڑھی، مظفر پور، نالندہ اور دیوبند کے مختلف کتب خانوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

نام کتاب: **تذکرہ حافظ عظیم اللہ**

مؤلف: محمد یوسف مظاہری

مکمل نام ''تذکرہ حافظ عظیم اللہ رائے بریلوی مع ضمیمہ تعارف جامعہ نصیحۃ المسلمین'' ہے۔ جامعہ ہی سے شائع ہوئی ہے۔ حافظ عظیم اللہ صاحب ایک نیک صالح، بلند ہمت، جفاکش اور حوصلہ مند شخصیت تھے، ان کے دل میں دین کی خدمت کا بڑا جذبہ تھا، اور دین کی نشر واشاعت

کے لیے انھوں نے مکاتب و مدارس کے قیام کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا، اور یہ طریقہ کار اختیار کیا تھا کہ مکتب یا مدرسہ کی بنیاد ڈال کر اسے اہل علم کے حوالہ کردیتے تھے۔ اس کتاب میں ان کی سرگذشت پیش کی گئی ہے، جس میں ان کے ذاتی احوال بھی شامل ہیں اور مکاتب و مدارس کے قیام کے سلسلہ میں ان کی کد و کاوش بھی۔ عامۃ المسلمین کے لئے بڑی مفید اور سبق آموز کتاب ہے، جس سے خدمت دین کا حوصلہ ملتا ہے۔

نام کتاب: **مونس القاری**

ترتیب: مولانا محمد حنیف

''مونس القاری فی دروس البخاری'' سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور مولانا شیخ محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ کے افادات درسِ بخاری پر مشتمل پہلی جلد ہے، جس کی ضبط وترتیب کا کام مولانا محمد حنیف لوہاروی، جامعہ قاسمیہ کھروڈ، گجرات انجام دے رہے ہیں۔ یہ پہلی جلد تمہیدی عنوانات سے گذرتے ہوئے کتاب العلم کے باب ''من اجاب السائل بأکثر مما سأله'' تک ہے۔

اس سے قبل مولانا ایوب سورتی نے بھی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے دروس پر کام کیا ہے جو منظرِ عام پر آچکا ہے، لیکن یہ تالیف بھی اپنی خصوصیات رکھتی ہے، خاص طور پر حسنِ طباعت واشاعت اور بہتر ترتیب وپیش کش اس کا امتیاز ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اسی طرح بخاری شریف کی پوری شرح شائع ہو، جس میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ذوق علم اور ذوق تحقیق پوری طرح جلوہ گر ہے۔

مکتبہ ابوہریرہ، بھروچ گجرات سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت درج نہیں۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

یعنی امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات، خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمتِ الٰہی ومصلحتِ اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بے نظیر اخلاص وتعاون، خلافتِ مرتضوی کا عہد، اور اس کی عظیم مشکلات، بے نظیر زاہدانہ سیرت ومصلحانہ ومربیانہ کردار، فرزندانِ والامرتبت (حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ) کی عطر بیز سیرت واخلاق اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آلِ رسول (ساداتِ کرام) کے اعلیٰ اخلاق وشمائل، امت کی اصلاح وتربیت کی دائمی فکر، ہر عہد میں ان کا قائدانہ واولوالعزمانہ کردار، مستند کتب تاریخ، ناقابل انکار واقعات وحقائق، اور تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صفحات: ۴۰۴ قیمت: ۲۸۰ روپے

تحفۂ انسانیت (حدیث مالوہ)

یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس دورہ کی بولتی ہوئی روداد ہے جو انہوں نے حلقہ پیام انسانیت کے تحت بھوپال، اُجین، اندور اور مالوہ کا کیا تھا، جس میں جابجا طلباء واساتذہ، وکلاء وجج صاحبان، سیاسی وعلمی شخصیتوں اور مذہبی رہنماؤں سے خطاب کیا گیا ہے، اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت ملک کو اصل خطرہ کس چیز کا ہے اور علماء ودانشور طبقہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صفحات: ۱۸۴ قیمت: ۱۰۰ روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

پیکر محبت

ماں - پہلی درس گاہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

ماں کیا ہے؟ عظیم نعمت، متاع جاں، مشعل راہ، سراپا پیکر محبت، اخلاص کا پرتو، الفت کا ساغر، شفقت کا سمندر، صبر کا دریا، ہمدردی کا نسخہ، عزت کا غازہ، تسکین کا ساماں، فرحت کا مظہر، قسمت کا اجالا، وفا کا چشمہ، درد کا درماں، زخم کا مرہم اور پہلی درسگاہ!

ماں ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں ہے، تعلیم کی پہلی منزل ہے، فقید المثال تربیت گاہ ہے، تعمیر شخصیت کی اساس ہے، تہذیب انسانی کا نور ہے، خوشنودی رب کا ذریعہ ہے، پھولوں کی مہک ہے، تاروں کی چمک ہے، چاند کی ٹھنڈک ہے، رحمت کی کسک ہے، مروت کی جھلک ہے، مسرت کی جھلک ہے۔

ماں کی نگاہ میں اس کا بچہ قیمتی لعل وگہر ہے، آنکھوں کا قرار ہے، دل کا سکون ہے، جگر کا ٹکڑا ہے، بڑھاپے کا سہارا ہے، وہ راتوں کو جاگتی ہے، تکلیف کو سہتی ہے، مشکل سے الجھتی ہے، آفت سے نمٹتی ہے، فکروں میں گھلتی ہے، خود بھوکی رہتی ہے، بچہ کو کھلاتی ہے، لوری سناتی ہے، چلنا سکھاتی ہے، تعلیم دلاتی ہے، وظیفے پڑھتی ہے، دعائیں کرتی ہے۔ اور پھر بچہ کی ترقی پر شاد ماں، صحت و تندرستی پر فرحاں اور اخلاق وکردار پر نازاں!

ماں کا رتبہ سب سے بلند ہے، وہ ایک بیش بہا دولت ہے، بے شک وہ ماں قابل رشک ہے، سرمایہ افتخار ہے جو بچہ کے اخلاق سنوارتی ہے، اچھی تعلیم دیتی ہے، آداب زندگی سکھاتی ہے، نیت کا قبلہ درست کرتی ہے، پاکیزہ ماحول عطا کرتی ہے، عشق نبوی کی شمع فروزاں کرتی ہے، محبت صحابہ کو جلا بخشتی ہے، اسلامی تعلیمات پر یقین جماتی ہے، دینی غیرت پیدا کرتی ہے، سلیقہ مندی سکھاتی ہے، گفتگو کا ڈھنگ دیتی ہے، عزت نفس کا درس دیتی ہے لیکن ...... لیکن افسوس! افسوس کہ اب ایسی کوئی ماں کہاں، تربیت کا ایسا عنصر کہاں! اب تو بس ماں ہے جسے قدرت نے ماں بنایا ہے، نہ وہ ممتا ہے نہ وہ کڑھن ہے، نہ انقلاب انگیز سحر خیزی ہے، نہ بچہ کے عیوب پر نگاہ ہے، نہ اس کی کردار سازی کی پرواہ ہے، نہ اس کے روشن مستقبل کی فکر ہے، اب تو ایسی ماں ہی عنقا ہے، آج کی ماں کی طبیعت میں چشم پوشی ہے، بے جا تحریض ہے، محبت کے نام پر بے فکری ہے، یہی وجہ ہے کہ نئی نسل آزاد خیال ہے، مفاد پرست ہے، دنیا میں مست ہے، مادیت کی پجاری ہے، اخلاق سے نا آشنا ہے، صحبت نیک سے دور ہے، غفلت کا شکار ہے، روحانیت سے خائف ہے، ماں باپ سے نالاں ہے اور ان کے لیے باعث شرم وعار!

تف ہے مغربی نظام پر، حیف ہے اس کے ماحول پر، جہاں ہر شخص بے مہار ہے، اپنی مرضی میں آزاد ہے، احساس ذمہ داری سے پرے اور بچہ کی نگہداشت سے عاری ہے، نہ ماں کے ذمہ بچہ کی کی تربیت ہے اور نہ بچہ پر ماں کی اطاعت، نہ عزت و خدمت کا تصور ہے نہ رشتوں کا تقدس، صرف ناؤ نوش بعیش کوش مقصود زندگی ہے، اسی لیے پورا معاشرہ تباہی کے دہانے پر ہے، سخت کشمکش کا شکار ہے، نہ چہرے پر شگفتگی ہے، نہ عمل میں پختگی ہے، نہ کردار میں شائستگی ہے۔

ماں سے محبت اور اس سے ہمدردی کے لیے ایک دن معین ہے، (Mother Day) ماں کے سارے حقوق سے دستبرداری کا دن ہے، ماں سے ہمدردی وغمخواری کا دن ہے، خدمت کی علامت اور انسانیت کی شناخت کا دن ہے، ہاں تمام لغزشوں اور کوتاہیوں سے کفارہ کا دن ہے، اور پھر سال بھر (Old Age Home) ہی ماں کا مقدر ہے، وہی اس کا مستقر ہے، نہ اولاد کو دوا کی فکر، نہ ماں کی زندگی کی خبر، نہ ملاقات کی سوچ اور نہ سوچنے کے لیے فرصت، الغرض پورا سماج مانند سقر ہے، ہر ایک اس پر راضی ہے، ہر ایک کی اپنی دنیا ہے، اپنی زندگی ہے، اپنی خوشی ہے، اپنی غمی ہے، یہی ہے مغرب کا اعلیٰ سماج، ترقی یافتہ سماج، چہرہ بے رونق، پھولتی ہوئی سانسیں، بے حس جسم، بے جان ضمیر اور انسانی روح سے عاری پورا وجود، یہی ہے مغرب کی ترقی، اس کی معراج، روشن ضمیری کی دلیل، مہذب ہونے کی علامت، اور انسانی اخلاق و مواسات کی اعلیٰ مثال!

ماں ایک تناور درخت ہے، مقدس رشتہ ہے، پاکیزہ آنچل ہے، اس کی خدمت باعث سعادت، اس کی عزت باعث برکت، اس کی شفقت باعث رحمت، لیکن ہائے رے آج اولاد! ہوا وہوس کا شکار، اپنے فرض سے غافل، ماں کے مقام سے ناواقف، باتوں میں ترشی ہے، لہجہ میں کرختگی ہے، اخلاق میں سختی ہے، کردار میں سستی ہے، جرأت میں گستاخی ہے، ماں بیٹے میں کلفت ہے، آپس میں جفا ہے، اور ہر کوئی ایک دوسرے سے خفا ونالاں ہے، بلاشبہ یہ انتہائی زوال ہے، جس سے انسانیت نڈھال ہے، آج تلاش ہے ایسی ہی ماں کی، جس سے تعمیر انسانیت وابستہ ہو اور جس کی آغوش بچہ کی تربیت گاہ ہو، جس کے نتیجہ میں ایسی اولاد ہو جو ماں کے لیے باعث قرار ہو، امت کے لیے سرمایہ افتخار ہو، اور دنیائے انسانیت کے لیے روشنی کا مینار!

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: محرم کے مہینہ میں امام حسینؓ کے نام پر محفلیں منعقد کرنا، ان کے تذکرے کرنا اور ان کے نام سے صدقہ کرنا، اور ان چیزوں کو کارِ ثواب سمجھنا کیا شرعاً درست ہے؟

جواب: سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک المناک واقعہ ہے جو حد درجہ قابل افسوس ہے لیکن اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ان کے نام سے ماتمی مجلسیں منعقد کرنا، ان کی زندگی اور کارناموں کا تذکرہ کر کے ان پر رونا، سینہ کوبی کرنا اور خاص اس نام سے صدقہ وغیرہ کرنا اور ان چیزوں کو باعث ثواب سمجھنا کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے، اور نہ سلف صالحین کے یہاں اس قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، بلکہ یہ روافض کی ایجادات ہیں جن سے بچنا ضروری ہے، صاحب بدایہ ونہایہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت پر ہر مسلمان کو غمگین ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپؓ سادات مسلمین اور علماء صحابہؓ میں تھے اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے لیکن شیعہ حضرات اس پر جو جزع فزع غم وماتم کا اظہار کرتے ہیں، درست نہیں ہے بلکہ ان میں اکثر تصنع اور ریاء ہے۔[البدایہ والنہایہ: ج۸/ص۲۰۰]

سوال: محرم کے مہینہ میں بہت سی عورتیں زینت ترک کر دیتی ہیں اور حضرت حسینؓ کا سوگ مناتی ہیں، چولھے پر توا نہیں رکھتیں، کیا اسلامی شرع میں ترک زینت اور اس قسم کے سوگ کی گنجائش ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو ان کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں، سوائے عورت کے لیے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی۔

اس نبوی ہدایت سے معلوم ہوا کہ ہر سال محرم کے مہینہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت پر سوگ منانے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اور کوئی عورت نہ ترک زینت کر سکتی ہے اور نہ چولھا بند کرنے کی اجازت ہے۔[صحیح مسلم: ج۱/ص۴۸۷]

سوال: حضرت حسینؓ کے یوم شہادت سے چالیس دن تک تعزیہ بنا کر مرثیہ پڑھنا، ماتم کرنا اور سینہ کوبی اور تعزیہ کے سامنے سر جھکانا وغیرہ اعمال کرنا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

جواب: تعزیہ بنانا، مرثیہ پڑھنا، سینہ کوبی، تعزیہ کے سامنے جھکنا وغیرہ اعمال اسلامی شرع میں جائز نہیں ہیں بلکہ علماء اہل حق کے نزدیک حرام ہیں۔[مجالس الابرار/ص۲۵۳]

سوال: عشرۂ ذی الحجہ کے موقع سے حضرت حسینؓ کی شہادت کا تذکرہ کرنا، شربت، دودھ یا پانی کی سبیل لگانا کیا شرع اسلامی میں ممنوع ہیں؟

جواب: حضرت حسینؓ یا دیگر شہداء کی شہادت کا تذکرہ کرنا فی نفسہ ممنوع نہیں، اسی طرح شربت یا دودھ یا پانی کی سبیل لگانا بھی منع نہیں لیکن محرم کے مہینہ میں ایک خاص تصور کے ساتھ کرنا چونکہ روافض کے عمل کے ساتھ تشبیہ ہے، اس لیے یہ ممنوع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے۔[سنن ابوداؤد، حدیث:۴۰۳۱]

سوال: یوم عاشوراء کو روزہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: یوم عاشوراء کی فضیلت احادیث میں بیان کی گی ہے اور اس دن روزہ رکھنے کی بھی فضیلت ہے، اسی لیے فقہاء نے اس دن روزہ رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے، شرح سفر السعادة اور ماثبت فی السنة میں یہ صراحت موجود ہے کہ یوم عاشورہ کی فضیلتیں اور اس دن روزہ رکھنا ثابت ہے، ملا علی قاریؒ نے علامہ ابن ہمام کے حوالہ سے روزہ رکھنا مستحب لکھا ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے اس سے ایک دن قبل یا بعد ایک روزہ رکھنا بھی مستحب ہے۔[مرقاة: ج۴/ص۲۸۸]

سوال: یوم عاشورا کو اہل وعیال پر خرچ میں کشادگی اختیار کرنے کی فضیلت کیا حدیث سے ثابت ہے، کیا یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا درست نہیں، کیا ان لوگوں کا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب: کتب احادیث میں یہ روایت ملتی ہے کہ جس نے عاشوراء کے دن عیال پر خرچ میں کشادگی اختیار کی، اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر کشادگی فرمائے گا، المقاصد الحسنة اور سیوطی کی الجامع الصغیر میں یہ روایت موجود ہے اور کئی فقہاء نے اس سے استدلال کر کے بیان بھی کیا ہے، البتہ محدثین نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن یہ مختلف سندوں سے مروی ہے اور محدثین کے نزدیک جو حدیث ضعیف ہوا گر وہ مختلف سندوں سے مروی ہو تو اس کا درجہ حسن لغیرہ کا ہو جاتا ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا درست ہے، ویسے بھی فضائل کے باب میں ضعیف حدیث قابل عمل ہوا کرتی ہے، لہٰذا اگر کوئی اپنے گھر والوں اور بچوں پر خرچ میں کشادگی اختیار کرے تو یہ ممنوع نہیں بلکہ اسکی اجازت ہے اور باعث خیر وبرکت ہے اور جو لوگ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، وہ ان کی غلط فہمی ہے۔

☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وما ذٰلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	نائب ناظم ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.